

اَرْكَبُ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامَ (البقرہ)

تقابلِ ادیان

ادیان و مذاہب عالم کا تاریخی اور اسلام کے ساتھ
تقابلِ مطالعہ، عام طور پر تحریف سے جُداگانہ
اسلوب بیان میں ایک مفید معلوماتی کتاب

مؤلف

حضرت مولانا پرویز محمد یوسف خان صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

بیت العلوم

۲۰۔ ناچر سوڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۳۳۳۳۳

تقابل ادیان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تقابلِ ادیان

دیان و مذاہبِ عام کا تاریخی اور اسلام کے ساتھ
تقابلِ مطلق، عام طور پر تحریک سے جُداگانہ
اسلوبِ بیان میں ایک تنقیدی معلقواتی کتاب

مؤلف

حضرت مولانا محمد رفیع محمد یوسف خان صاحب دہلوی
استاذِ مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور

بیش العلوم

۲۰۔ ٹاپو سٹریٹ لاہور۔ فون: ۳۳۳۳۳۳

﴿ جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں ﴾

کتاب: تقابل ادیان
مؤلف: مسیحی، مولانا رفیع الرحمن، یوسف خان، م. ب. رفیق
باہتمام: محمد یونس اشرف
ناشر: بیت العلوم۔ ۲۰۰۰ء، روڈ ۱۰، چوک پراگئی تاریکی، لاہور
فون: ۷۳۵۳۳۸۳

﴿ ملنے کے پتے ﴾

بیت العلوم = ۲۰۰۰ء، روڈ ۱۰، چوک پراگئی تاریکی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۱۹۰ تاریکی، لاہور
ادارہ اسلامیات = سوہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار، کراچی، لاہور
بیت القرآن = اردو بازار، کراچی، لاہور
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ، دارالعلوم کراچی، کراچی، لاہور
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کراچی، کراچی، لاہور
مکتبہ قرآن = دعویٰ تائید، کراچی
مکتبہ سید احمد شہید = انگریز، ہمارے کینٹ، اردو بازار، لاہور

﴿فہرست﴾

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تقریظ	۲۳
۲	عرض مؤلف	۲۵
۳	مقدمہ	۲۹
۴	مذہب کیسے وجود میں آتے ہیں؟	۳۲
۵	عبادۃ الاوثان کے اسباب	۳۳
۶	مسلمانوں میں مظاہر پرستی	۳۶
۷	قبل از تاریخ مذہب کی دریافت کا ذریعہ	۳۶
۸	عصر حاضر کے بنیادی مذہب	۳۷
۹	علم آثار قدیمہ	۴۷
۱۰	باب اول ﴿ہندومت﴾	۳۹
۱۱	ہندو مذہب کی تاریخ	۴۱
۱۲	ہندوستان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں آریہ قوم کی آمد	۴۲
۱۳	آریاؤں کی آمد کا زمانہ	۴۳
۱۴	آریہ قوم کا مختصر تعارف	۴۴
۱۵	آریہ قوم کو آریہ کہنے کی وجہ	۴۵
۱۶	ہندو مذہب کا بانی	۴۶
۱۷	ہندو مذہب کی تاریخی کتابوں کی حیثیت	۴۶
۱۸	ہندوؤں کا ایک مشترکہ عقیدہ	۴۷
۱۹	ہمہ آہستی نظریہ کیا ہے؟	۴۷

۲۸	موجودہ ہندوؤں کا عقیدہ آواگون	۲۰
۲۸	ہندوؤں کی مذہبی کتابیں	۲۱
۲۹	ہندوؤں کے معبود	۲۲
۲۹	برہما	۲۳
۵۰	ویشنو	۲۴
۵۱	شیو	۲۵
۵۱	گاداما	۲۶
۵۳	گاداما کے متعلق ایک انوکھا حکم	۲۷
۵۳	فائدہ	۲۸
۵۳	ہندوؤں کی مقدس کتابیں	۲۹
۵۳	وید	۳۰
۵۳	زگ وید	۳۱
۵۳	یجر وید	۳۲
۵۵	سام وید	۳۳
۵۵	اتھرو وید	۳۴
۵۵	ویدی کی کتب کے حصے	۳۵
۵۵	ویدوں پر تبصرہ	۳۶
۵۶	گانا ہندو مذہب کا حصہ	۳۷
۵۶	موجودہ معاشرے کی بھیا تک تصویر	۳۸
۵۷	اُپ بھد	۳۹
۵۸	یوگا کی حقیقت اور پاکستان میں اس کے اشتہارات	۴۰

۵۸	”اپنشد“ کی تعلیمات اور اس کے مضامین	۴۱
۶۰	شاستر	۴۲
۶۰	آستیک	۴۳
۶۰	ناستک	۴۴
۶۰	دوسرا شاستر یوگ	۴۵
۶۱	تیسرا شاستر ویدانت	۴۶
۶۱	چوتھا شاستر یوگ	۴۷
۶۱	پانچواں شاستر نیایہ	۴۸
۶۱	چھٹا شاستر واپے شا	۴۹
۶۲	رامائن	۵۰
۶۲	مہابھارت	۵۱
۶۳	گیتا	۵۲
۶۳	ہندو دھرم (مذہب) میں مارگ (نجات) کے طریقے	۵۳
۶۳	کومارگا (راہِ عمل)	۵۴
۶۳	بخانا مارگا (راہِ علم)	۵۵
۶۵	بھگن مارگا (راہِ ریاضت)	۵۶
۶۶	ہندوؤں میں ذات پات کی تفریق	۵۷
۶۶	ذات پات کی تفریق مسلمانوں میں	۵۸
۶۷	ہندو مذہب میں شورو کی حیثیت	۵۹
۶۷	یوگ	۶۰
۶۸	مادہ اور روح کے بارے میں ہندو عقیدہ	۶۱

۶۹	ہندو مذہب اور دین اسلام کا تقابلی جائزہ	۶۲
۶۹	پیغمبر کا تصور	۶۳
۶۹	مساوات اور خاندانی تعارف	۶۳
۷۰	عقیدہ توحید	۶۵
۷۱	ایمان بالقیب	۶۶
۷۲	علم کی بنیاد	۶۷
۷۳	ضابطہ حیات	۶۸
۷۳	عالمگیریت	۶۹
۷۳	نجات کے طریقے	۷۰
۷۴	تسخیر یا جہان نو	۷۱
۷۴	نکاح اور یتیم	۷۲
۷۵	مادہ کا تصور	۷۳
۷۵	گائے	۷۴
۷۵	انسان کی قربانی	۷۵
۷۶	وراثت	۷۶
۷۶	لمحہ فکریہ	۷۷
۷۹	باب دوم بدھ مذہب	۷۸
۸۱	گوتم بدھ کے حالات زندگی	۷۹
۸۲	گوتم بدھ اور انسانی زندگی کے تین مرحلے	۸۰
۸۳	راہبانہ زندگی کا نقطہ آغاز	۸۱
۸۳	بدھ مذہب کی تعلیمات	۸۲

۸۵	حصہ اول: چار سرگرم مراتب	۸۳
۸۶	جسمانی کشاف	۸۳
۸۶	حصہ ثانی: چار بلوغ کرشمیں	۸۵
۸۷	حصہ سوم: ویداری کے چار راستے	۸۶
۸۷	حصہ چہارم: پانچ اخلاقی طاقتیں	۸۷
۸۸	حصہ پنجم: سات دانشیں (عقل مندی کی باتیں)	۸۸
۸۸	حصہ ششم: آٹھ اعلیٰ طریقے اور اطوار	۸۹
۸۹	"بزدان" حاصل کرنے کا طریقہ	۹۰
۹۱	گوتم بدھ کے پیروکار	۹۱
۹۱	لفظ درویش کی وضاحت	۹۲
۹۱	بدھ مذہب کے درویشوں میں شامل ہونے کی شرائط	۹۳
۹۲	درویشوں کی ذمہ داریاں	۹۳
۹۳	درویشوں کے دن رات کے معمولات	۹۵
۹۳	دنیا داروں کے فرائض	۹۶
۹۳	بدھ مت کی مذہبی کتابیں	۹۷
۹۵	بدھ مذہب کی اہم تعلیمات	۹۸
۹۵	بدھ مذہب میں عام دنیا دار کیلئے اخلاقی ضابطے	۹۹
۹۵	والدین اور اولاد کے فرائض	۱۰۰
۹۶	اولاد کے ذمے والدین کے متعلق حسب ذیل فرائض ہیں	۱۰۱
۹۶	شاگردوں کے فرائض	۱۰۲
۹۶	استاد کے فرائض	۱۰۳

۹۷	شوہر کے فرائض	۱۰۴
۹۷	بیوی کے فرائض	۱۰۵
۹۷	دوستوں کے فرائض	۱۰۶
۹۸	آقا کے فرائض	۱۰۷
۹۸	نوکروں کے فرائض	۱۰۸
۹۸	بدھ مذہب کے مختلف عقائد	۱۰۹
۹۸	روح سے متعلق بدھ مت کا عقیدہ	۱۱۰
۹۹	فرشتوں سے متعلق عقیدہ	۱۱۱
۹۹	قیامت سے متعلق عقیدہ	۱۱۲
۹۹	حیات بعد الموت سے متعلق عقیدہ	۱۱۳
۱۰۰	بدھ مذہب کا اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ	۱۱۴
۱۰۰	مرکزی نقطہ نظر	۱۱۵
۱۰۰	خواہشات نفسانی	۱۱۶
۱۰۰	اتفاقیات	۱۱۷
۱۰۱	اطمینان کیسے حاصل ہو؟	۱۱۸
۱۰۱	رہبانیت	۱۱۹
۱۰۱	بھکاری پن	۱۲۰
۱۰۲	متعدی امراض	۱۲۱
۱۰۲	شرائع داخلہ	۱۲۲
۱۰۲	بدھ مت کے پیروکار کتنے اور کہاں ہیں؟	۱۲۳
۱۰۳	باب سوم سکھ مت	۱۲۴

۱۰۵	سکھ مت کی حقیقت	۱۲۵
۱۰۵	سکھ مت کا بانی	۱۲۶
۱۰۶	لمازمت	۱۲۷
۱۰۶	تین سال کی عمر میں	۱۲۸
۱۰۶	حج	۱۲۹
۱۰۷	وفات	۱۳۰
۱۰۷	سکھ مت کی تعلیمات	۱۳۱
۱۰۷	گیارہ اہم اصول	۱۳۲
۱۰۷	توحید کا تصور	۱۳۳
۱۰۸	عشق الہی کا تصور	۱۳۴
۱۰۸	ترکیہ نفس کا تصور	۱۳۵
۱۰۸	ذکر الہی کا تصور	۱۳۶
۱۰۸	نیک محبت، خدمت خلق اور رزق حلال کا تصور	۱۳۷
۱۰۹	تصور رسالت	۱۳۸
۱۰۹	ارکان اسلام کا تصور	۱۳۹
۱۰۹	قرآن کریم کا تصور	۱۴۰
۱۰۹	قیامت کا تصور	۱۴۱
۱۱۰	آواگون کا تصور	۱۴۲
۱۱۰	گرد کا تصور	۱۴۳
۱۱۰	سکھوں کی مذہبی کتابیں	۱۴۴
۱۱۱	سکھوں کے فرقے	۱۴۵

۱۱۱	نامک پنتھی	۱۴۶
۱۱۱	اداسی فرقہ	۱۴۷
۱۱۱	اکالی فرقہ	۱۴۸
۱۱۱	بندہ پنتھی	۱۴۹
۱۱۲	غذابی فرقہ	۱۵۰
۱۱۲	رام داسی فرقہ	۱۵۱
۱۱۲	سکھ مت میں داخل ہونے کا طریقہ	۱۵۲
۱۱۲	سکھوں کے شب و روز	۱۵۳
۱۱۳	سکھوں کے گوردوارے	۱۵۴
۱۱۳	سکھ مت اور اسلام کا تقابلی جائزہ	۱۵۵
۱۱۳	اخوت اور مساوات	۱۵۶
۱۱۴	تاج	۱۵۷
۱۱۴	گرو کی ضرورت	۱۵۸
۱۱۴	نبوت اور پیغمبری	۱۵۹
۱۱۴	خلاف فطرت امور	۱۶۰
۱۱۵	باب چہارم ﴿جین مت﴾	۱۶۱
۱۱۷	جین مت کے بانی و مصلحین	۱۶۲
۱۱۷	مہاویر	۱۶۳
۱۱۸	جین مت کی تعلیمات	۱۶۴
۱۱۸	جین مت میں اعمال کی درستگی کا طریقہ کار	۱۶۵
۱۱۹	جین مت میں شرکت کا طریقہ	۱۶۶

۱۲۰	جینیوں کی ایک لفظی تصویر	۱۶۷
۱۲۰	جین مت کے فرقے	۱۶۸
۱۲۰	سوتیانم	۱۶۹
۱۲۰	مہر	۱۷۰
۱۲۰	جین مت کی مشہور کتابیں	۱۷۱
۱۲۱	جدید دور کا جین مت	۱۷۲
۱۲۱	جین مت اور اسلام کا تقابلی جائزہ	۱۷۳
۱۲۳	باب پنجم ﴿کنفیوشس ازم و زرتشت ازم﴾	۱۷۴
۱۲۵	کنفیوشس ازم کا بانی	۱۷۵
۱۲۸	کنفیوشس کے سیاسی اصول	۱۷۶
۱۲۹	اصلاح معاشرہ کے اصول	۱۷۷
۱۲۹	کنفیوشس ازم کی چند اہم کتابیں	۱۷۸
۱۲۹	لن	۱۷۹
۱۳۰	تعلیم	۱۸۰
۱۳۰	علم عظیم	۱۸۱
۱۳۰	شوچنگ	۱۸۲
۱۳۰	شی چنگ	۱۸۳
۱۳۰	لی چی	۱۸۴
۱۳۱	لی چنگ	۱۸۵
۱۳۱	ہوں پن	۱۸۶
۱۳۱	چونگ جونگ	۱۸۷

۱۳۱	نظریہ اعتدال	۱۸۶
۱۳۲	کنفیوشس ازم کا ارتقاء	۱۸۹
۱۳۳	کنفیوشس کے سیاسی فلسفے کا خلاصہ	۱۹۰
۱۳۳	کنفیوشس ازم اور اسلام کا تقابلی جائزہ	۱۹۱
۱۳۳	خدا اور واحد کا تصور	۱۹۲
۱۳۴	حیات بن الموت	۱۹۳
۱۳۵	تئیلر کائنات	۱۹۳
۱۳۵	عائشہ ریت	۱۹۵
۱۳۶	حفاظت	۱۹۶
۱۳۶	سوچ اور فکر کا زاویہ	۱۹۷
۱۳۶	حلال و حرام	۱۹۸
۱۳۷	﴿زرتشت ازم﴾	۱۹۹
۱۳۷	زرتشت کی آمد سے قبل	۲۰۰
۱۳۸	زرتشت کی مختصر سوانح عمری	۲۰۱
۱۳۱	زرتشت کے عقائد	۲۰۲
۱۳۱	عقیدہ توحید	۲۰۳
۱۳۱	عقیدہ صفات خداوندی	۲۰۴
۱۳۲	ملائکہ سے متعلق عقیدہ	۲۰۵
۱۳۲	عقیدہ بہشت و نر	۲۰۶
۱۳۲	عقیدہ رسالت	۲۰۷
۱۳۳	عقیدہ تخلیق کائنات	۲۰۸

۲۰۹	تصور تدفین	۱۴۳
۲۱۰	زرتشت کے مذہب میں اخلاقی اصول	۱۴۳
۲۱۱	نوجوان نسل کے لئے زرتشت کی خصوصی تعلیم	۱۴۴
۲۱۲	فرائض دینیہ	۱۴۵
۲۱۳	زرتشت ازم میں شویت (دوغدا) کا تصور	۱۴۵
۲۱۴	زرتشت ازم کی مذہبی و مقدس کتابیں	۱۴۶
۲۱۵	پاستا	۱۴۷
۲۱۶	گاتھا	۱۴۷
۲۱۷	وسپرڈ	۱۴۷
۲۱۷	وٹھیداؤ	۱۴۷
۲۱۸	ایشٹ	۱۴۷
۲۱۹	زرتشت، مجوس اور اسلام کا تقابلی جائزہ	۱۴۸
۲۲۰	عقیدہ توحید	۱۴۸
۲۲۱	عقیدہ رسالت	۱۴۸
۲۲۲	عقیدہ بعث بعد الموت	۱۴۸
۲۲۳	ملائکہ سے متعلق عقیدہ	۱۴۹
۲۲۳	رسم تدفین	۱۴۹
۲۲۵	رسم حنا	۱۴۹
۲۲۶	باب ششم ﴿مانوی مذہب﴾	۱۵۱
۲۲۷	بانی مذہب کے مختصر حالات	۱۵۳
۲۲۸	مانوی مذہب کی بنیادی تعلیمات	۱۵۳

۱۵۴	مانوی مذہب پر نظریہ عمومیت و تثلیث کی چھاپ	۲۲۹
۱۵۶	مانوی مذہب اور اسلام کا تقابلی جائزہ	۲۳۰
۱۵۷	﴿شنو ازم﴾	۲۳۱
۱۵۷	شنو ازم کی اہم باتیں	۲۳۲
۱۵۷	مظاہر پرستی	۲۳۳
۱۵۷	اسلاف پرستی	۲۳۴
۱۵۸	شاہ پرستی	۲۳۵
۱۵۸	شنو ازم کی تین مختلف صورتیں	۲۳۶
۱۵۸	ریاستی شنو ازم	۲۳۷
۱۵۹	فرقہ دارانہ شنو ازم	۲۳۸
۱۵۹	گھریلو شنو ازم	۲۳۹
۱۵۹	شنو ازم میں عبادت کا طریقہ	۲۴۰
۱۵۹	شنو ازم کی مذہبی کتابیں	۲۴۱
۱۶۰	شنو ازم اور اسلام کا تقابلی جائزہ	۲۴۲
۱۶۱	باب ہفتم ﴿تاؤ مت، کیٹنی ازم اور ٹیوٹانی مذہب﴾	۲۴۳
۱۶۳	بانی مذہب کے مختصر حالات	۲۴۴
۱۶۳	تاؤ مت عقائد کی صورت میں	۲۴۵
۱۶۵	تاؤ مت کے اخلاقی اصول	۲۴۶
۱۶۵	تاؤ مت کے مختلف مکاتب فکر	۲۴۷
۱۶۵	کنفیو شس پسند	۲۴۸
۱۶۵	ضابطہ پرست	۲۴۹

۱۶۶	موسس	۲۵۰
۱۶۶	تاؤمت کا مقدس اور مذہبی ورثہ	۲۵۱
۱۶۶	تاؤمت اور اسلام کا تقابلی جائزہ	۲۵۲
۱۶۸	﴿کلیسی ازم﴾	۲۵۳
۱۶۸	مختصر تعارف	۲۵۴
۱۶۹	﴿یونانی مذہب﴾	۲۵۵
۱۶۹	یونانی مذہب کے مختلف عقائد	۲۵۶
۱۷۱	باب ہشتم ﴿یہودیت﴾	۲۵۷
۱۷۳	قدیم بنی اسرائیل اور ان کے عقائد	۲۵۸
۱۷۴	یہوداہ کا تعارف	۲۵۹
۱۷۷	تاریخ یہود اور اسرائیل کا پس منظر	۲۶۰
۱۸۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد	۲۶۱
۱۸۲	یہودیوں کی کتب مقدسہ	۲۶۲
۱۸۲	سلسلہ نمبر ۱ کتاب پیدائش	۲۶۳
۱۸۲	کتاب خروج	۲۶۴
۱۸۲	کتاب انجیل	۲۶۵
۱۸۳	کتاب اعداد	۲۶۶
۱۸۳	کتاب استواء	۲۶۷
۱۸۳	سلسلہ نمبر ۲	۲۶۸
۱۸۳	سلسلہ نمبر ۳	۲۶۹
۱۸۳	تدوین و تالیف	۲۷۰

۱۸۳	کتاب مقدس کی زبان	۲۷۱
۱۸۵	تائمود یا تلمود	۲۷۲
۱۸۵	تورات و زبور میں تحریف کے اسباب	۲۷۳
۱۸۷	یہودیوں کے تہوار و رسومات	۲۷۴
۱۸۷	یوم السبت	۲۷۵
۱۸۸	عید فصح	۲۷۶
۱۸۸	یوم الخمیس	۲۷۷
۱۸۸	یوم تختہ	۲۷۸
۱۸۸	یوم یو ریم	۲۷۹
۱۸۹	یوم چولواکھ	۲۸۰
۱۸۹	یوم ہاترموت	۲۸۱
۱۸۹	رسم قربانی	۲۸۲
۱۹۰	رسم عقیقہ	۲۸۳
۱۹۰	یہودیوں کا سب سے اہم تہوار	۲۸۴
۱۹۱	دین موسوی میں عبادت کے مختلف طریقے	۲۸۵
۱۹۱	یہودی ٹوپی	۲۸۶
۱۹۲	دین موسوی کی تعلیمات	۲۸۷
۱۹۲	خدا اور اس کی صفات	۲۸۸
۱۹۲	تصور ملائکہ	۲۸۹
۱۹۳	نظریہ تخلیق کائنات	۲۹۰
۱۹۳	نظریہ عصمت و نبیاء	۲۹۱

۱۹۵	معتقد آخرت	۲۹۲
۱۹۵	حقوق العباد اور یہودیت	۲۹۳
۱۹۶	یہودیوں کے مختلف فرقے اور ان کے نظریات	۲۹۴
۱۹۶	سامری فرقہ	۲۹۵
۱۹۶	ایسینی فرقہ	۲۹۶
۱۹۷	ناسک فرقہ	۲۹۷
۱۹۷	کاراتی فرقہ	۲۹۸
۱۹۷	فریسی فرقہ	۲۹۹
۱۹۷	صدوقی فرقہ	۳۰۰
۱۹۷	کائی فرقہ	۳۰۱
۱۹۸	یہودیت اور اسلام کا تقابلی جائزہ	۳۰۲
۱۹۸	نظریہ مہویت اور توحید	۳۰۳
۱۹۸	مذہبی دستور کی حفاظت	۳۰۴
۱۹۹	ہفتہ آرام کا دن	۳۰۵
۱۹۹	انبیاء کرام علیہم السلام	۳۰۶
۱۹۹	عورت کی وراثت	۳۰۷
۱۹۹	تہوار اور ان کی رنگینی	۳۰۸
۲۰۱	باب خیم ﴿میسائیت﴾	۳۰۹
۲۰۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل مذہبی حالات	۳۱۰
۲۰۳	آمد عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کے سیاسی حالات	۳۱۱
۲۰۴	انجیل کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش	۳۱۲

۳۱۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش قرآن کریم کی روشنی میں	۲۰۶
۳۱۴	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مختصر حالات	۲۰۷
۳۱۵	مخالفت یہود کے اسباب و وجوہات	۲۰۹
۳۱۶	تشدد کا الزام	۲۰۹
۳۱۷	سبت کی بے حرمتی کا الزام	۲۱۰
۳۱۸	یہود عظیم کی تباہی کا متنبی	۲۱۰
۳۱۹	ابن اللہ کہلوانے کا الزام	۲۱۰
۳۲۰	مسادات کا اعتراض	۲۱۰
۳۲۱	بغاوت کا الزام	۲۱۰
۳۲۲	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات	۲۱۱
۳۲۳	توحید	۲۱۱
۳۲۴	صفات باری تعالیٰ	۲۱۱
۳۲۵	عیسائیوں کی مقدس کتابیں	۲۱۲
۳۲۶	انجیل اربعہ اور انجیل برتاباس	۲۱۳
۳۲۷	تحریف انجیل کے اسباب	۲۱۴
۳۲۸	عیسائی مذہب کی اہم رسومات	۲۱۵
۳۲۹	بپتسمہ	۲۱۵
۳۳۰	غنائے ربانی	۲۱۶
۳۳۱	رہبانیت	۲۱۶
۳۳۲	عیسائیوں کے تہوار	۲۱۷
۳۳۳	اتوار کا دن	۲۱۷

۲۱۷	کرسمس	۳۳۳
۲۱۷	ایسٹر	۳۳۵
۲۱۸	عیسائیوں کے مختلف فرقے	۳۳۶
۲۱۸	موجودہ عیسائیت اور اسلام کا تقابلی جائزہ	۳۳۷
۲۱۸	مثلیث	۳۳۸
۲۱۹	شریعت	۳۳۹
۲۱۹	قومی پیغام	۳۴۰
۲۱۹	اہلیت	۳۴۱
۲۱۹	ذریعہ نجات	۳۴۲
۲۲۰	حلب عیسیٰ علیہ السلام	۳۴۳
۲۲۰	عقیدہ حلول	۳۴۴
۲۲۰	حیاتِ ثانیہ	۳۴۵
۲۲۱	بابِ دہم ﴿اسلام﴾	۳۴۶
۲۲۳	شارع اسلام (شیخ الاسلام)	۳۴۷
۲۲۵	ارکانِ اسلام	۳۴۸
۲۲۵	توحید و رسالت	۳۴۹
۲۲۶	نماز	۳۵۰
۲۲۶	زکوٰۃ	۳۵۱
۲۲۶	روزہ	۳۵۲
۲۲۶	حج	۳۵۳
۲۲۶	ایجاد	۳۵۴

۲۲۷	اسلامی تعلیمات	۳۵۵
۲۲۸	عقائد	۳۵۶
۲۲۸	عبادات	۳۵۷
۲۲۸	معاملات	۳۵۸
۲۲۸	معاشرات	۳۵۹
۲۲۹	اخلاقیات	۳۶۰
۲۲۹	اسلام قبول کرنے کا طریقہ	۳۶۱
۲۳۰	کتبِ مقدمہ	۳۶۲
۲۳۱	اسلام ایک عالمگیر مذہب	۳۶۳

﴿تقریظ﴾

استاذ العلماء، جامع الحیاسن، فضیلۃ الشیخ
حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم صاحب مدظلہ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

اما بعد!

زیر نظر رسالہ ”قابل ادیان“ کا کہیں کہیں سے مطالعہ کیا، مولانا محمد یوسف
خان صاحب کا انداز بیان اتنا صاف، سلیس اور سمجھ میں آنے والا ہے کہ پڑھنے والا اگر
تھوڑی سی توجہ کر کے مطالعہ کرے تو اس کو کہیں رکاوٹ نظر نہیں آئے گی۔

مواہات نے علاوہ اسلام کے تیرہ دیگر ادیان پر قلم اٹھایا ہے، حقیقت پسندی اور
غیر جانبداری کے ساتھ اگر ان کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ اب
قیامت تک کے لئے امت کی رہنمائی کا حق صرف اور صرف اسلام کو ہے۔

نبی کریم سرور دو عالم ﷺ نے جو جو ارشادات دین کے بارے میں
فرمائے ہیں ان کا ایک ایک حرف سچا ہے خصوصاً عیسائیت اور یہودیت جو اس وقت دنیا
کے اندر اپنے مذہب کو سچا ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، غیر مسلم
دنیا اور ان کی حکومتیں ان کو پروان چڑھانے کے لئے سالانہ بجٹ مقرر کر رہی ہیں ان

سے متعلق بھی احادیث مبارکہ میں مفصل مواد موجود ہے اور قربان جائیں جناب رسول اللہ ﷺ کے کہ تو رات و انجیل اور ان کی تحریف کے بارے اس مدلل انداز سے بیان فرما گئے ہیں کہ آج تک عیسائی اور یہودی دنیا ان تحریقات کا جواب نہ دے سکی۔

اس کتاب کے مطالعہ سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب انسانیت کے لئے ایک رہنما ثابت ہوگی، خداوند کریم قارئین کرام کو حقیقت پسندی کے ساتھ اس کے مطالعہ کی توفیق عطا فرمائے، میں یقین سے کہتا ہوں کہ اگر غیر جانبداری اور حقیقت پسندی سے اس کا مطالعہ کیا جائے گا تو یقیناً حق کی راہ کھلی سامنے نظر آئے گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرما دیں۔

حافظ فضل الرحیم

استاذ الحدیث و نائب مہتمم

جامعہ اشرفیہ لاہور

﴿عرض مولف﴾

نحمدہ و نصلی و نسلّم علی رسولہ الکریم اما بعد!

ادیان و مذاہب کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی قدامت ادیان و مذاہب میں ہے، یہ الگ بات ہے کہ اوراق تاریخ میں انہیں درج کرنے کا اہتمام بہت بعد میں ہوا ہے، تاہم اب بھی اس موضوع پر مستند مواد کے ذریعے بہت کچھ کہا اور لکھا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

عربی زبان و ادب میں ”لکل فی رجال“ کا مقولہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں، یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہر فن کے لئے فن کار اور ہر علم کے لئے صاحب علم مخصوص ہونا دنیا کا مسلم ضابطہ ہے، تاریخ و مذاہب بھی اپنی اپنی اہمیت کے مطابق فنون میں شمار کئے جاتے ہیں لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آج دنیا اس کے ماہرین سے خالی ہوتی جا رہی ہے اور اس میں نئی نسل کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے، ہاں! دیگر مذاہب کی رسومات اپنانے میں نئی نسل کسی طور پیچھے نہیں دکھائی دیتی۔

اس موقع پر ایک تجزیہ نگار کہہ سکتا ہے کہ دین اسلام سے آگاہی میں کمی اور دیگر مذاہب کا میڈیا کے ذریعے پرچار ہمیں اس سچ پر لے آیا ہے کہ اس پر اقبال کا یہ شعر بلا تکلف صادق آتا ہے۔

وضیع میں تم ہونصاری تو تمدن میں ہنود

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرماؤں یہ ہود

اور اب تو نوبت بائیں چا رسید کہ: دور حاضر کے مسلمان دوسرے مذاہب کی مذہبی اقتدار کو فخریہ طور پر اپنانے کے بعد اس بات سے بھی مکمل نا آشنا ہوتے ہیں کہ وہ کس مذہب کی رسوم و رواج سے وابستہ ہیں۔

☆☆☆

قبل از تاریخ مذاہب کے وجود اور اس سے متعلق مفصل حالات اولاً تو کسی

قابل اعتماد ماخذ اور مستند حوالہ سے ہم تک نہیں پہنچتے اور جن سے متعلق کچھ معلومات دستیاب بھی ہوتی ہیں تو وہ انتہائی ناکافی ہیں، اور ان کا ماخذ بھی صرف لفظی چیزیں ہیں چنانچہ آثار قدیمہ کی کھدائی کے بعد جن فرض مذاہب سے پردہ اٹھایا گیا ہے ان پر یقین کرنے کی ہمارے پاس سوائے اس کے اور کوئی دلیل نہیں کہ ”یہ آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے سامنے آنے والی تحقیقات ہیں“ اس لئے قبل از تاریخ، مذاہب کے وجود اور ان کی تفصیلات سے متعلق قطعی طور پر کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔

☆☆☆

مدارس دینیہ میں جہاں اور بہت سارے علوم و فنون کی تحقیقی اور اہم کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، وہاں عرصہ سے اس بات کی بھی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ تقابلی ادیان و مذاہب کے عنوان پر کوئی جامع اور مختصر سا مجموعہ مرتب ہو جائے تاکہ موجودہ دور کے طلباء اور مستقبل کے علماء و محققین کا تعارف ذہن نشین کریں اور نئی نسل کے سامنے ”تقابلی مطالعہ“ پیش کر کے دین اسلام کی حقانیت کو اجاگر کر سکیں۔

☆☆☆

زیر نظر کتاب میں بے جا تفصیل اور حد سے زیادہ اختصار سے کام لئے بغیر بنیادی اور اہم مذاہب سے متعلق مفید مواد جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ہر مذہب کی اہم باتیں ذکر کرنے کے بعد اس مذہب کے اہم امور کا اسلام کے ساتھ تقابلی تبصرہ بھی پیش کیا گیا ہے لیکن اس میں تمام جزئیات کا احاطہ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ بطور نمونہ صرف چند امور کے تقابلی پر اکتفاء کیا گیا ہے جس پر آپ قیاس کر کے دیگر مذاہب اور اسلام کے مطالعہ کے بعد تقابلی مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

آخر میں اپنے ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرنا میں اپنے لئے ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کو آپ کے ہاتھوں تک پہنچانے میں اپنی کوشش و کاوش سے میرے ساتھ تعاون فرمایا، خصوصاً عزیزم مولانا محمد ظفر اقبال سلمہ خصوصی دعاؤں کے مستحق ہیں

جنہوں نے مسودے کی ترتیب و تدوین میں تعاون کے ساتھ ساتھ دیگر آئب سے
مراجعت میں خوب محنت فرمائی، نیز ناشر کتاب عزیز موصوٰ۱۱ محمد ناظم اشرف سلمہ، ابو نعیمی اللہ
تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائیں جنہوں نے اس بہترین انداز میں کتاب کی اشاعت کا
اہتمام فرمایا۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے اور میرے لئے ذخیرہ
نجات بنائے۔

آمین

احقر محمد یوسف خان غفلی عنہ

۲۹ ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ

﴿مقدمہ﴾

تقابل ادیان کا معنی، وجود مذاہب کے اسباب،
عبادۃ اللہ و اللہ کے اسباب، قبل از تاریخ مذاہب
کی دریافت کے ذرائع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿مقدمہ﴾

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو وجود بخشا، اس میں ضروریات مہیا کیں، انسان کو اس کا مکین بنایا اور اسے زندگی گزارنے کا ڈھنگ اور سبق سکھایا چنانچہ آج تک دنیا میں جہاں کہیں بھی انسانی آبادی ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی دین یا دھرم اور مذہب سے ہو، بہر حال اس کا اپنا ایک طرز معاشرت ہے جسے وہ شدت کے ساتھ اختیار کیے ہوئے ہے اور لغوی معنی کے اعتبار سے یہی مفہوم ہے مذہب کا۔ کیونکہ ”مذہب“ اسم ظرف کا میثیہ ہے جو مصدر میمی کے طور پر استعمال ہوتا ہے بمعنی چلنے کی جگہ، چلنے کا راستہ وغیرہ اور اصطلاحی طور پر مذہب کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ جن اصولوں پر چل کر زندگی گزاری جاسکے، ان اصولوں کو ”مذہب“ کہتے ہیں۔

اسی سے ملتا جلتا ایک اور لفظ بکثرت استعمال ہوتا ہے جسے مذہب کا مترادف بھی قرار دیا جاتا ہے اور وہ ہے لفظ ”دین“ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿إِن الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ۸۶)

لیکن یاد رہے کہ ”دین“ اور ”مذہب“ میں ایک بڑا باریک فرق ہے اور وہ یہ کہ دین نام ہے ان اصول و ضوابط کا جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اقدس ﷺ تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان مشترک رہے جب کہ ”مذہب“ انہی اصول کی فروغ کا نام ہے اس سے معلوم ہوا کہ دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، البتہ مذاہب تبدیل ہوتے رہے ہیں۔

☆☆☆

مذہب کے اس تاثر میں بعض ایسے لوگ بھی سامنے آئے ہیں جن کا کوئی نظریہ اور مذہب نہیں، انہیں ”دہریہ“ کہا جاتا ہے تاہم ”دہریہ“ کی یہ تعریف ”جو خدا اور پیغمبر خدا

کا منکر بننا زیادہ جامع ہے کیونکہ ہر انسان اپنے اپنے طرز پر زندگی گزار رہا ہے اور اس نے اپنی زندگی کے لئے ایک خاص منہج کو منتخب کر رکھا ہے، اور اسی کو مذہب کہتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں انہی مختلف مذاہب اور اسلام کے درمیان ایک تقابلی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ دنیا کا کوئی دین، کوئی دھرم اور کوئی مذہب اسلام سے زیادہ نہ تو روشن خیال ہے اور نہ اعتدال پسند۔ اس سے جہاں اسلام کی عظمت و اہمیت دلوں میں اجاگر ہوگی، وہیں دورِ حاضر کے خوشنما، جاذبِ نظر اور پرکشش نعروں کی حقیقت بھی واضح ہو سکے گی۔



یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ”تقابل ادیان“ کے موضوع پر جب سلسلہء گفتگو شروع کیا جاتا ہے تو بعض لوگ اسلام اور سائنس کے درمیان بھی تقابل شروع کر دیتے ہیں حالانکہ اسلام اور سائنس آپس میں مقابلِ فریق کی حیثیت رکھتے ہی نہیں کیونکہ سائنس نام ہے مشاہدات اور تجربات کا اور اسلام نے کبھی مشاہدے اور تجربے کی نفی نہیں کی البتہ اپنے پیروکاروں کو ”ایمان بالغیب“ کی دولت سے ضرور مالا مال کیا ہے، اسی طرح سائنس کا کوئی اصول ایسا نہیں جو ناقابلِ تبدیل ہو اور دین کا ہر اصول اپنی جگہ اٹل ہوتا ہے، اب اگر دین کا کوئی اصول سائنس سے متصادم نہ ہو تو ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم اس میں ضرور کوئی نہ کوئی تقابل کی صورت پیدا کریں کیونکہ تقابل مذاہب میں کرنا مقصود ہے اور سائنس کوئی مذہب نہیں اس لئے اسلام اور سائنس کے درمیان تقابل نہ کیا جائے۔

مذاہب کیسے وجود میں آتے ہیں؟

وجودِ مذاہب کا سبب دو لفظوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ جہاں مظاہر قدرت کی کوئی عجیب و غریب تاثیر دکھائی دی اسی پر فریفتہ ہو کر اسے خدا سمجھ لیا اور یوں ایک نیا دین وجود میں آگیا۔ اس موقع پر اس بات کا قائل ہونا مشکل ہے کہ زمانہء قدیم کے لوگ عقل و شعور اور فنونِ متداولہ سے نابلد تھے کیونکہ کیمسٹری میں ان کی مہارت اتنی

مسلم ہے کہ آج کے جدید ترقی یافتہ دور میں بھی اس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی چنانچہ فرعون کی لاش کو انہوں نے ایسے مصر لے لگا کر محفوظ کیا تھا کہ آج تک وہ محفوظ اور موجود ہے اور اس پر مستقل کئی مقامے لکھے جاپکے ہیں لیکن آج تک ان مصر لٹھوں کو دریافت نہیں کیا جا سکا۔

علمِ فلکیات میں انہیں اتنی مہارت حاصل تھی کہ بغیر کسی دور بین یا خورد بین کے زمین پر بیٹھے بیٹھے انہوں نے پانچ سیارے دریافت کر لئے تھے جنہیں آج تک کوئی غلط ثابت نہیں کر سکا۔ سورج کے پجاری بلا وجہ سورج کی پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ انہوں نے اپنے یہاں مردِ سُنس کے ذریعے پتہ چلایا کہ جہاں پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں وہاں لوگوں کو زندگی ملتی ہے اور جہاں سورج کی کرنیں نہیں پڑتیں وہاں زندگی تو بڑی دور کی بات نہ گھاس اُٹی ہے اور نہ جانور زندہ رہتے ہیں چنانچہ آج بھی بحرِ اوقیانوس، قطبِ شمالی اور قطبِ جنوبی میں زندگی نہیں اور وہاں کا پانی پھٹلی سے خالی ہے۔ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر کچھ لوگ سورج کی پرستش میں مشغول ہو گئے، کچھ لوگوں نے دیکھا کہ مادی اشیاء کو آگ سے حرارت ملتی ہے اور آگ کے کارنامے بڑے زبردست ہیں انہوں نے آگ کی پرستش شروع کر دی، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم نے صدائے توحید بلند کرنے کے جرم میں قتل کیا اور نہ ہی سولی پر چڑھایا بلکہ انہیں آگ میں ڈال دیا کیونکہ آگ ان کا خدا تھی گویا انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے خدا کے سپرد کیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے، اسی طرح اہل مصر پانی کے بھی پجاری تھے اور ایک خوبصورت دہن کو سجا کر دریا کی نذر کرتے تھے جو ان کے یہاں خدا کی پسندیدہ ترین عبادت تھی۔

منظہر قدرت کی پرستش کا یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے اتنا وسیع ہوا کہ لوگوں نے جانوروں تک کو اپنا خدا بنا لیا چنانچہ ہندوؤں نے گائے کو اپنا خدا قرار دیا اور لنگور کو مقدس سمجھ کر پالنا شروع کر دیا جسے ان کے یہاں ”ہنومان“ کہتے ہیں، سری لنکا میں اب بھی ہاتھی کی پوجا ہوتی ہے اور مصر میں ایک زمانے تک اہل مصر ہاتھی کو اپنا معبود سمجھتے رہے،

سال کے تین سو ساٹھ دن ہی بنتے ہیں اس طرح ہرون کا الگ بت تھا، جنہیں نبی اکرم سرور دو عالم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر خانہ کعبہ سے دور کیا۔

لیکن جب یہ بت پرستی انسان کے قلب و جگر میں رائج ہو جائے تو اسے نکالنا انتہائی مشکل ہوتا ہے اور یہ سلسلہ اتنا پھیلتا ہے کہ انسان انسانیت سے ماوراء نظر آنے لگتا ہے چنانچہ جدید تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہندوؤں کے یہاں ۲۳ کروڑ دیوتا اور بت ہیں جنہیں اگر ہندوؤں پر تقسیم کیا جائے تو فی ہندو ڈیڑھ بت آتے ہیں یعنی معبود زیادہ اور عابد کم ہیں لیکن ذہنوں میں اس کے اثر و رسوخ کا یہ عالم ہے کہ گاندھی نے لکھا ہے کہ ہم میں اور مسلمانوں میں کیا فرق ہے؟ ہم کھڑا کر کے پوجتے ہیں اور یہ لٹا کر پوجتے ہیں چنانچہ آج کل درباروں اور مزاروں پر قبر پرستی اسی کا ثبوت ہے بالفاظ دیگر اسے اجداد پرستی بھی کہا جاسکتا ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے ذیل کے الفاظ میں کیا ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلَىٰ تَتَّبِعُوا مَا لَفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ (البقرة: ۱۷۰)

”جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں! بلکہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔“

آج اگر اس بات کو بیان کیا جائے تو لوگوں کی طرف سے یہ جملہ سننے کو ملتا ہے کہ یہ تو وہابی ہیں، ولیوں کو نہیں مانتے حالانکہ ہم ولیوں کو بھی مانتے ہیں اور ولیوں کی بھی مانتے ہیں لیکن ان سے مانگتے نہیں اس لئے کہ اگر ولیوں کو نہ مانا جائے تو پھر ایک حدیث قدسی میں ایک بڑی سخت وعید وارد ہوئی ہے:

﴿مَنْ عَادَى لِي وَلِيَ فَقَدْ آذَنَنِي بِالْحَرْبِ﴾

”جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔“

اور اگر ولیوں سے مانگا جائے تو ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جانے والی آیت

”ایاک نعبد و ایاک نستعین“ کے خلاف ہوتا ہے اس لئے ہم اولیاء کرام کو تو مانتے ہیں لیکن ان سے مانگتے نہیں۔

مسلمانوں میں مظاہر پرستی

اس کی ایک سادہ سی مثال ”خاک شفاء“ ہے جسے لوگوں نے اتنا اٹھایا کہ وہاں گڑھے پڑ گئے اور سعودی حکومت کو وہاں فرش ڈلوانا پڑا، اسی طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے باغ میں آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں لگائے ہوئے درخت کے پتے حجاج کرام نے توڑ توڑ کر لانا شروع کر دیئے جس کی وجہ سے سعودی حکومت نے اس جگہ کو صاف کر دیا۔ اسی طرح امیت آباد کے قریب ”آب شفاء“ نامی ایک چشمہ موجود ہے کہ اس میں جو بیمار نہائے گا وہ تندرست ہو جائے گا کیونکہ شروع میں جلدی امراض کے کچھ مریض یہاں غسل کرنے سے تندرست ہو گئے تھے۔ بعد میں پچھالوجی کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس چشمے کے پانی میں گندھک کے اثرات بہت زیادہ ہیں جو امراض جلد کے لئے بہت مفید ہے چونکہ یہ چشمہ ان پہاڑوں سے آ رہا ہے، جن میں گندھک بہت زیادہ ہے اس لئے جلد کی بیماری والے شخص کو شفاء ہو جاتی ہے۔

﴿قبل از تاریخ مذاہب کی دریافت کا ذریعہ﴾

موجودہ زمانے میں فن تحریر و طباعت اپنے تدریجی ارتقاء کی جس معراج پر پہنچا ہوا ہے آج سے صرف دو تین صدیاں قبل اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، اسی طرح تاریخ اور تاریخ دانی کا جو ذوق اب نظر آتا ہے قبل از تاریخ ہمیں انسانیت اس چیز سے کوسوں دور نظر آتی ہے، جس کی وجہ سے اس زمانے کے لوگوں کے مذاہب سے پردہ اٹھانا خاصا مشکل ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہمارے پاس اس کے دو ذریعے ہو سکتے ہیں لیکن ان سے بھی کسی حتمی نتیجے تک پہنچنا شکی نہیں۔

(۱) عصر حاضر کے بنیادی مذاہب

ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے والا اپنے زمانے میں موجود مذاہب کے عقائد اور عبادات کا خوب سنجیدگی اور غور و فکر سے مطالعہ کر کے قبل از تاریخ مذاہب تک کچھ رسائی پاسکتا ہے لیکن اس کے لئے ان لوگوں کی زبان سیکھنا، ان کے رسم و رواج سے کامل طور پر شناسائی حاصل کرنا اور ہر طبقے کے لوگوں سے رابطہ رکھنا انتہائی ضروری ہے ورنہ معلومات ناقص رہتی ہیں۔

(۲) علم آثار قدیمہ

حکمر آثار قدیمہ جو مختلف مقامات پر کھدائی اور کائنات کے سر بستہ و گم گشتہ رازوں کو دریافت کرنے میں مشغول رہتا ہے اس کے ذریعے بھی قبل از تاریخ مذاہب پر کچھ حد تک اطلاع ہو سکتی ہے چنانچہ اس قسم کی حالیہ تحقیقات سامنے آنے پر بہت سے قبل از تاریخ واقعات و حقائق کے چہرے سے پردہ اٹھا ہے اور ابھی اس میدان میں مزید کام کی ضرورت باقی ہے۔

باب اول

﴿ہندومت﴾

ہندو مذہب تاریخ کے آئینے میں، عقائد و نظریات
کی روشنی میں، اپنی مقدس کتابوں اور تعلیمات
کے تناظر میں، اسلام کے ساتھ تھنی جائزہ

باب اول

ہندومت

مت اصل میں شکر ت کا لفظ ہے جس کا معنی مذہب اور عقل ہوتا ہے چنانچہ اردو میں بھی یہ لفظ عام طور پر بولا جاتا ہے کہ ”اس کی مت ماری گئی“ اور لفظ ”ہندو“ شکر ت زبان ہی میں دریائے انڈس کے نام ”سندھو“ سے آیا ہے جو بعد میں بدل کر ”ہندو“ ہو گیا۔

ہندو مذہب کی تاریخ

ہندو قوم اور ہندو مذہب کی تاریخ کہیں بھی محفوظ نہیں ہے، خود ہندوستان میں رہنے والے ہندوؤں نے کبھی اپنی قدیم تاریخ پر رقم نہیں اٹھایا چنانچہ محققین نے لکھا ہے کہ ۱۲۰۰ ق م سے پہلے ہندوؤں کی کوئی تاریخ یا تاریخی کتاب محفوظ نہیں۔ مشہور فرانسیسی محقق ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے کہ ہندوؤں کی تین ہزار سالہ تہذیب و تمدن کی کئی ہزار جلدوں میں جو تاریخ حال ہی میں سامنے آئی ہے اب تک اس کا ایک تاریخی واقعہ بھی صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہو سکا۔

ہندوؤں کی تاریخ میں کسی بھی واقعے کو ثابت کرنے کے لئے بیرونی سہاروں سے کام لینا پڑتا ہے جس سے اس واقعے کی صحت اور عدم صحت کے متعلق فیصلہ کیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ہندوؤں کی ان تمام تاریخی کتب میں بیان کردہ ہر واقعہ حقیقت کے اعتبار سے غلط اور فطرت کے خلاف محسوس ہوتا ہے۔

پنڈت جواہر لعل نہرو اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ اہل چین، اہل یونان اور اہل عرب کے برعکس قدیم ہندوستان کے لوگ مؤرخ نہیں تھے اور یہ ہماری بڑی بد قسمتی ہے اور اسی نے یہ دشواری پیدا کر دی ہے کہ ہم گزشتہ واقعات کا زمانہ اور تاریخ متعین نہیں کر

سکتے اور یہ واقعات آپس میں بہت متضاد ہیں، ہمارے پاس صرف ایک کتاب ایسی ہے جسے ہم تاریخی کتاب کہہ سکتے ہیں اور وہ ہے ”کشمیر کی تاریخ“ اس کتاب کے علاوہ باقی واقعات کے لئے ہمیں تصورات اور خیالات کی دنیا میں جانا پڑتا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستانی اپنی قدیم روایات ہی کو تاریخ تسلیم کرتے ہیں۔

ایک اور ہندو مؤرخ پرمانند لکھتا ہے۔

”ہندوستان میں ہندوؤں کے پاس جو تاریخی کتب موجود ہیں ان کے تین حصے ہیں۔ (۱) زمانہ قدیم جو کہ بالکل نامکمل ہے اور اس میں جو حالات و واقعات ملتے ہیں، وہ شاعرانہ مبالغہ آرائی سے بھرے ہوئے ہیں۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مذہب کی قدیم تاریخ محفوظ نہیں ہے البتہ اتنی بات مسلم ہے اور خود ہندوؤں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ اقوام جو شرک میں مبتلا تھیں اور ان کے یہاں بت پرستی کا رواج تھا، اصلانہ چیزیں ہندوستان میں نہ تھیں بلکہ باہر سے ان لوگوں میں درآئی تھیں اور پھر بعد میں ان چیزوں نے ہندوؤں کے دل و دماغ پر اس طرح قبضہ کر لیا کہ اب وہ کسی طرح ان سے جدا نہیں ہوتیں۔

بابل، مصر اور بحیرہ روم میں آباد بت پرست اقوام خاص طور پر بحیرہ روم میں موجود ”دراوڈ“ اقوام کے متعلق ہڑپہ اور موہنجو دڑو کی کھدائی سے حاصل ہونے والی معلومات کے ایک بہت بڑے حصے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ لوگ درختوں، جانوروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے جو بعد میں ہندوستانی تہذیب و مذہب کا حصہ بن گئی۔

ہندوستان اور اس کے مابینہ علاقوں میں آریہ قوم کی آمد

ماہرین آثار قدیمہ نے مختلف کھنڈرات کی جو کھدائی کی ہے اس کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مذہب باضابطہ طور پر ہندوستان اور اس کے مابینہ علاقوں میں اس وقت وجود میں آیا تھا جب کہ آریہ قوم کا یہاں ورود ہوا، اس سے پہلے باضابطہ اور باقاعدہ

طور پر ہندو مذہب کا یہاں کوئی وجود نہ تھا۔

رہی یہ بات کہ آریہ قوم جو ہندوستان میں آکر آباد ہوئی، اس کا اصل وطن کیا تھا؟ تو اس کے بارے میں مؤرخین کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ پروفیسر میکس ملر کے مطابق ان کا وطن ”وسط ایشیا“ تھا، بال گنگا دھر تلک کی رائے میں ان کا وطن ”منطقہ بارہ“ تھا، بعض مؤرخین کے نزدیک ان کا وطن ”روس کے مشرقی علاقے“ تھے جب کہ بعض ہندوستانی مؤرخین کا کہنا ہے کہ آریہ قوم کے لوگ کہیں دور سے نہیں آئے تھے بلکہ ابتداء یہ کشمیر میں آباد تھے جہاں سے بعد میں یہ سارے ہندوستان میں پھیل گئے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہندوستان، کشمیر کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا چنانچہ دبستان مذہب کا مصنف لکھتا ہے:

”ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں جتنے بھی تیرتھ (مقدس مقامات) ہیں، ان میں سے ہر ایک تیرتھ کا قائم مقام کشمیر میں موجود ہے اور کشمیر کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے تیرتھ پر جانے کی ضرورت نہیں مثلاً الہ آباد وغیرہ۔“

معلوم ہوا کہ کشمیر کے ساتھ ہندوستان کی اس دار فکلی اور عقیدت کی بنیاد ”مقامات مقدسہ“ ہیں اور اسی وجہ سے وہ کشمیر کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتا جبکہ یوں مور کی رائے یہ ہے کہ آریہ قوم دراصل ”ایران“ سے آئی تھی کیونکہ ایران کا معنی ہے آریہ قوم کی سرزمین۔

آریاؤں کی آمد کا زمانہ

آریہ قوم کے وطن کے بارے میں شدید اختلاف ہے، اسے سامنے رکھ کر ہندوستان میں ان کی آمد کا زمانہ بھی متعین کرنا مشکل ہے چنانچہ مؤرخین نے بھی حتمی طور پر ان کی آمد کا زمانہ متعین نہیں کیا البتہ غالب گمان یہ ہے کہ یہ لوگ ۱۷۰۰ اور ۱۲۰۰ قبل مسیح کے درمیانی عرصے میں ہندوستان وارد ہوئے اور تاریخی روایات کے مطابق ہندوستان آکر ان لوگوں نے مقامی لوگوں کو جنوب مشرق کی طرف ہٹا کر خود اس علاقے پر قبضہ

کر لیا۔ اسی بنا پر شمالی ہندوستان ”آریہ درت“ کے نام سے مشہور ہے۔

آریہ قوم کا مختصر تعارف

مورخین کے نزدیک آریہ قوم کا دھرم اور مذہب ”وید“ ہیں جن میں ان کی مذہبی روایات اور ان کا تاریخی خزانہ محفوظ تھا لیکن وید کے مرتب ہونے کا زمانہ آریہ قوم کے ہندوستان میں آباد ہونے کے کافی عرصہ بعد کا ہے جب کہ آریہ قوم، مقامی لوگوں اور ان کے مذہب کا اثر قبول کر چکی تھی اس لئے ”وید“ میں صحیح مذہبی روایات کا ہونا بھی ناقابل تسلیم اور مشکوک ہو جاتا ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر آریہ قوم نے مقامی لوگوں اور ان کے مذہب کا اثر قبول کیا تھا تو کچھ اثر اپنا بھی ان لوگوں پر چھوڑا تھا اسی بناء پر یہ لوگ ہندوستان میں اس طرح غم ہو گئے کہ انہیں ہندوؤں سے الگ کرنا ممکن نہ رہا۔

ویدی ادب میں لکھے ہوئے حوالہ جات سے پتہ چلتا ہے کہ آریہ قوم کے لوگ بنیادی طور پر خاندہ بدوش تھے اور ان کے سرداران قبائل کو ”رالجہ“ کہا جاتا تھا، اس قوم کے لوگ بنیادی طور پر تین حصوں میں منقسم تھے۔

- (۱) آریائی دیوتاؤں کے خدام اور پجاری انہیں ”برہمن“ کہا جاتا تھا۔
- (۲) سردار اور جنگجو افراد انہیں ”کشتریہ“ کہا جاتا تھا۔
- (۳) عام لوگ اور تاجر جو پہلے دونوں طبقوں کے خدام سمجھے جاتے تھے، انہیں ”ویش“ کہا جاتا تھا۔

ویدوں کے ابتدائی زمانے میں آریہ قوم توحید پر قائم تھی چنانچہ البیرونی نے اپنی مشہور کتاب ”تاریخ ہند“ میں لکھا ہے۔

”خدا کے متعلق ابتدائی زمانے میں ہندوؤں کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ واحد، غیر فانی ہے نہ اس کا کوئی آغاز ہے نہ انجام، وہ مختار مطلق اور قادر مطلق ہے، حسیّ محسیّ ہے، احکم الحاکمین اور رب ہے، اپنی سلطانی میں لامتناہی ہے، نہ اس سے کوئی مشابہہ ہے اور نہ وہ کسی کے مشابہہ ہے۔“

اپنے اس ابتدائی دور سے گزرنے کے بعد آریہ قوم جب برصغیر میں داخل ہوئی تو اسے بت پرست قوم کی ثقافتوں سے واسطہ پڑا اور یوں آہستہ آہستہ اس قوم میں بھی بت پرستی اور مظاہر پرستی کا رواج عام ہو گیا جس سے ہندو دھرم یا ہندو مت یا ہندو مذہب وجود میں آیا اور ویدوں کی روایات اور مقدیم روایات ہندو مذہب کا حصہ بنتی چلی گئیں۔

اس موقع پر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ تک جتنے بھی ادیان ساوی مروج رہے ہیں ان سب میں تین ایسے محکم اصول ہمیشہ مشترک رہے ہیں جو کبھی تبدیل نہیں ہوئے۔ (۱) توحید (۲) رسالت (۳) قیامت۔ لیکن ہندوان تینوں سے بالاتر ہو کر آریہ قوم کی طرح اپنے آپ کو اہل کتاب میں مدغم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، چنانچہ آج کل ہندوؤں نے اپنی ویب سائٹ پر ایسے پروگرام شروع کر رکھے ہیں جن میں وہ ایک ہندو لڑکے کی مسلمان لڑکی کے ساتھ شادی کرتے ہوئے دکھاتے ہیں اور ویل میں قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا﴾ (الحل: ۳۶)

”ہم نے ہر قوم میں انہیں میں کا ایک شخص بھیجا۔“

اور اس سے ان کا مقصد اپنے آپ کو اہل کتاب باور کروانا ہوتا ہے کہ جیسے دیگر اہل کتاب سے نکاح جائز ہے اسی طرح ہندوؤں کے ساتھ بھی جائز ہے، قابلِ غور بات یہ ہے کہ جس طرح آریہ قوم نے اپنے آپ کو ہندوؤں میں مدغم کر دیا تھا، کہیں اسی طرح ہندو بھی تو اپنے آپ کو مدغم نہیں کر رہے؟ اس مقصد کے لئے ہمیں اپنی تقریبات اور مختلف تہواروں کا جائزہ لینا ہوگا کہ شادی بیاہ کے موقع پر ہندی، جہیز اور بارات اور دیگر تہواروں میں ذرا آنے والی تہذیب کہاں سے آئی؟ کہیں یہ وہی ہندو راتریمیں تو نہیں جو ہندوؤں کے ساتھ ایک طویل عرصہ گزارنے کی وجہ سے ہم لوگوں میں آگئیں؟ اگر ایسا ہے اور یقیناً ہے تو یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

آریہ قوم کو آریہ کہنے کی وجہ

اصل میں آریہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے ہندگی کرنا، عبادت گزار

ہونا، چونکہ اس قوم کے ابتدائی افراد عبادت و ریاضت میں بہت آگے تھے اس لئے انہیں آریہ کہا جانے لگا جب کہ ”مذہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا“ میں یوں مود اس کا ترجمہ عالی مرتبہ، معزز افراد لکھتا ہے جس کا اطلاق مہاجرین کے اس گروہ پر ہوتا ہے جو دوسری صدی قبل مسیح میں ایران سے سندھ وارد ہوئے۔

ہندو مذہب کا بانی

دنیا میں جتنے بھی بڑے اور قابل ذکر مذاہب ہیں ان کا کوئی نہ کوئی بانی ضرور ہے اور وہ کسی شخصیت کی طرف اپنا اقتساب کرتے رہے ہیں لیکن ہندو مذہب ایک ایسا مذہب ہے جس کا بانی نہ معلوم ہے اور کوئی ہندو بھی اس کے متعلق دعویٰ نہیں کر سکتا کہ مجھے اپنے مذہب کا بانی معلوم ہے گو کہ ہندوؤں کی تاریخی کتابوں میں بعض مذہبی شخصیات کا حوالہ ملتا ہے لیکن ان میں سے ایک شخصیت بھی ایسی نہیں جس کی تعلیمات بعد کی ہندو فکر کا سرچشمہ بنی ہوں اور کامل یقین کے ساتھ کسی بھی شخص کو ہندو مذہب کا موسس اور بانی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ہندو مذہب کی تاریخی کتابوں کی حیثیت

ہندوؤں نے اپنی قدیم روایات کو محفوظ رکھنے کے لئے تاریخی کتب کی طرف بھی توجہ کی ہے لیکن ہندو مذہب کے بانی کی طرح اس کے مصنفین بھی نامعلوم ہیں کیونکہ ہندوؤں کے مذہبی نظام کو تشکیل دینے میں بے شمار افراد کا حصہ ہے جن کی تعیین اب تک نہیں ہو سکی اس لئے ان کی قدیم تاریخی کتب کے مصنفین کے بارے میں بھی کچھ پتہ نہ چل سکا کہ وہ کون تھے اور ان کی سوانح عمری کی کیا تفصیلات ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں کی قدیم کتابوں میں کسی عقیدے، مذہبی قانون یا شعائر و رسوم میں آپ کو کبھی بھی یکسانیت نظر نہیں آئے گی حتیٰ کہ خود ہندوؤں کے پنڈت اپنے مذہب کو ایک گنجان جگہ کی طرح سمجھتے ہیں جس میں عبادت کے مختلف طریقے، ہزاروں راستے اور کروڑ ہا معبود ہیں لیکن منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے ایک بھی کار آمد نہیں۔

ہندوؤں کا ایک مشترکہ عقیدہ

ہندو مذہب کے عقائد اور نظریات میں ایسا نیت اور توازن نہ ہونے کے باوجود ”تناخ و حلول“ کا عقیدہ ایسا ہے جو تمام ہندوؤں میں مشترکہ طور پر منسلک ہے۔ ہندی زبان میں اسے ”آواگون“ کہہ جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد ایک دوسرے روپ میں نیا جنم لیتا ہے، حیرت کی بات یہ ہے کہ ہندوؤں کی قدیم ویدوں میں آواگون کا عقیدہ موجود نہیں اور قدیم زمانے میں ہندو اپنی مادی زندگی کے بارے میں عقیدہ رکھتے تھے (جو کہ دراصل آریاؤں کا عقیدہ تھا) کہ موت کے بعد دنیاوی زندگی ختم ہو کر زندگی کا ایک دوسرا سلسلہ دائمی طور پر جاری رہے گا اور ان کا خیال یہ تھا کہ اگر انسان نیک ہو تو موت کے بعد وہ جنت میں داخل ہوگا اور اگر گنہگار ہو تو اسے دوزخ کے مصائب بھگتنا پڑیں گے لیکن بعد میں آہستہ آہستہ آریاؤں کے اس عقیدے کو ”ہمہ اوستی“ نظریے نے تناخ یا آواگون میں تبدیل کر دیا۔

ہمہ اوستی نظریہ کیا ہے؟

ہندو مذہب میں دیوتاؤں اور معبودوں کی اتنی کثرت کی بنیادی اہم وجہ ”ہمہ اوستی نظریہ“ ہے جس کا لفظی معنی ہے ”سب کچھ وہی ہے“ ہندو مذہب میں اس عقیدے اور نظریے کا مطلب بیان کرتے ہوئے محترم جناب مظہر الدین صدیقی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

”ہمہ اوستی عقیدہ یہ ہے کہ تمام دیوتا اور دیویاں اور سارے مظاہر فطرت مثلاً ہوا، آگ، پانی، دریا، زلزلے اور دیگر کائنات میں ایک واحد قوت حیات کے مختلف ظہوروں کا نتیجہ ہیں، خود انسان ایک طرف ہے جس میں یہ قوت حیات رواں دواں ہے، فطرت اور خدا ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں اس لئے فطرت ہی حیات یا بے جان فطرت کی پرستش خدا کی پرستش ہے۔“ (اسلام اور مذہب عالم ص ۴)

یہ ہمہ آتی نظریہ ہی ہے جس کی وجہ سے آج ہندو پیتل کے درخت کو سجدہ کرتا ہے کہ اس درخت میں خدا موجود ہے اور میں اسی کو سجدہ کر رہا ہوں اور مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ تم بھی تو حجر اسود کو پوجتے اور چومتے ہو؟ اس کا جواب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد میں ملے گا کہ اے حجر اسود! میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نفع نقصان کچھ بھی تیرے اختیار میں نہیں، اگر میں نے حضور ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔ ظاہر ہے کہ ”معبود“ کو انسان ایسا جملہ نہیں کہہ سکتا۔

موجودہ ہندوؤں کا عقیدہ آواگون

ہندوؤں کے موجودہ عقائد یہ رخ اختیار کر گئے ہیں کہ موت کے بعد ایک نئی ارضی اور زمینی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جس میں انسان کو اپنے گزشتہ جنم کے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہے گا، اگر پہلے جنم میں اچھے کام کئے ہوں گے تو اگلا جنم اچھی شکل و صورت میں ہی ہوگا ورنہ اس سے بھی بری زندگی کا آغاز ہوگا اور اس عقیدے کے مطابق ضروری نہیں ہے کہ انسان کا اگلا جنم انسان ہی کی صورت میں ہو بلکہ وہ کسی جانور، پرندے، درخت، پھل اور پھول یا پودے وغیرہ کی شکل میں بھی ہو سکتا ہے اور اسی عقیدے نے ہندوؤں میں ”تقدیر پرستی“ کا روگ پیدا کیا ہے کیونکہ جب یہ بات طے شدہ ہے کہ انسان کی قسمت اس کے گزشتہ جنم کے اعمال سے متعین ہوگی اور ہزار کوششوں کے باوجود بھی وہ تبدیل نہیں ہو سکتی تو پھر وہ کیونکر مرد میدان اور باہمت، پر عزم اور حوصلہ مند انسان کا کردار ادا کر سکتا ہے۔

ہندوؤں کی مذہبی کتابیں

ہندوؤں کی وہ کتابیں جو آریہ مذہب سے تعلق رکھتی ہیں یعنی قدیم ترین تاریخی کتابیں، انہیں ”وید“ کہا جاتا ہے اور موجودہ ہندوؤں کے پاس جو کتابیں ہیں انہیں ”پران“ (Puran) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور موجودہ ہندو مذہب کی بنیاد یہی

کتابیں ہیں لیکن ان میں اکثر و بیشتر مواد تخلیق عالم کے افسانوں اور من گھڑت قصوں پر مشتمل ہے چنانچہ بھاگوت جو ہندوؤں کی معتبر تاریخی کتاب ہے اس کے حوالے سے دبستان مذاہب کے مصنف نے لکھا ہے:

”اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ”پراکرت“ (فطرت) کے جسم پر
”ہستی“ کا لباس رکھا، پھر چودہ بھون (تخلیقی اشکال) کو ظاہر کیا“

ان (دبستان مذاہب ص ۱۴۷)

ہندوؤں کے معبود

قبل ازیں یہ بات ابتداء ہی میں معلوم ہو چکی ہے کہ آریائی ہندو زمانہ قدیم میں ایک خدا کی پرستش کے قائل تھے جسے ان کی بعض قدیم کتابوں میں ”ایشور“ کے نام سے یاد کیا گیا ہے لیکن دور جدید کے ہندو تھیٹ یعنی تین خداؤں کو ماننے کے قائل ہیں۔

(۱) برہما (۲) ویشنو (۳) شیو

ان تینوں کو ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں ”تری مورتی“ کا نام دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ آج کل ہندو اس تھیٹ کو ”تکڈم“ بھی کہتے ہیں، اس اعتبار سے تھیٹ، تری مورتی اور تکڈم آپس میں مترادف الفاظ ہیں۔ کچھ عرصے تک تو ہندو اسی تھیٹ کے عقیدے پر قائم رہے بعد میں ان کے یہاں دیوتاؤں کا ایک ایسا لامتناہی اور غیر مختتم سلسلہ شروع ہوا کہ خود ہندوؤں کی تعداد کم پڑ گئی اور ان کے دیوتاؤں کی تعداد ان سے بھی بڑھ گئی۔

برہما

ہندو عقیدے کے مطابق برہما اس عالم کا خالق ہے جس نے عالم کو عدم کے کٹھرے سے نکال کر وجود کے دائرے میں داخل کیا۔ ہندوؤں کے یہاں برہما کا تصور صرف اتنا ہے کہ وہ کائنات کے لئے ایک نقطہ آغاز کی حیثیت رکھتا ہے اور بس، نظام عالم کے متحرک ہونے کے بعد برہما کا اس عالم سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا اس لئے ہندوؤں

میں اس کی عبادت تقریباً معدوم ہے، تاہم خالق کائنات ہونے کے طور پر اس کا احترام اب بھی بہت زیادہ کیا جاتا ہے، پورے ہندوستان میں اس کے لئے صرف دو معبد مخصوص ہیں، ہندوستانی آرٹ میں ”برہما“ کو چار بارش چروں اور چار بازوؤں کے ساتھ سرخ رنگ میں دکھایا جاتا ہے۔ ایک ہاتھ میں چھچھو، دوسرے میں لوہا، تیسرے میں تسبیح اور چوتھے میں ویلہ ہیں، اور اسے ”راجہنس“ پر سوار دکھایا جاتا ہے۔ اس کی بیوی ”خنون لطیفہ کی بیوی“ کہلاتی ہے۔

وشنو

موجودہ ہندوؤں کے یہاں اصل معبود وہی ہیں۔ (۱) وشنو (۲) شیو۔ اور ان میں سے بھی وشنو کی اہمیت زیادہ ہے کیونکہ یہ اشیاء کی بقاء اور حفاظت کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے اور اس کی مرکزی خصوصیت، انسانیت کے ساتھ اس کا تعلق شمار ہوتی ہے، اور اس کی بیوی ”لکشمی“ (جس کے نام پر لکشمی چوک مشہور ہے) دولت اور عیش و عشرت کی نمائندہ ہے۔

ہندوؤں کے یہاں الوہیت کی یہ ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ ان کا الہ (معبود) حرکت کے بجائے سکون کا مظہر ہوتا ہے البتہ یہ ممکن ہے کہ انسانی دعاؤں اور عبادتوں کی بدولت وشنو کو حرکت میں لایا جاسکے اور مختلف اہم مراحل پر اسے مادی دنیا میں نزول پر آمادہ کیا جاسکے لیکن مادی دنیا میں معبود کا آنا ”مطلول“ کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ کسی نیک انسان کی شکل میں آکر غمزدہ افراد کی فریادیں کرے۔

چنانچہ ہندوؤں کے دو مشہور معبود رام اور کرشن اسی وشنو کے ”اوتار“ سمجھے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ وہی ”رام“ ہے جس کی وجہ سے ”بابری مسجد“ کا جھگڑا چلا آ رہا ہے، ہندو اسے ”رام“ کی جائے پیدائش قرار دے کر مقدس سمجھتے ہیں اور یہاں ”مندر“ تعمیر کرنا چاہتے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ ”بابری مسجد“ کی تعمیر سے قبل یہاں ایک ”رام مندر“ موجود تھا جسے گرا کر مسلمانوں نے مسجد تعمیر کی ہے حالانکہ جدید ترین تحقیقات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ”بابری مسجد“ کی جگہ پہلے ”رام مندر“ ہرگز نہیں تھا۔ بہر حال!

دشنو بڑا معبود تھا اور اس نے رام اور کرشن جو آدمیوں کے نام تھے، میں خود کو مجسم کر لیا تھا اور یہ جلون انسانی شکل و صورت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جانوروں اور پودوں وغیرہ کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے، اس عقیدے کی بناء پر ایک ہندو کے لئے اپنے معبود کو دنیاوی واقعات میں ڈھال کرنے آنا کچھ مشکل نہیں رہتا۔ دشنو کے بھی چار ہاتھ ہیں، پہلے ہاتھ میں سکھ (بڑا باجا) دوسرے میں گرز، تیسرے میں چکر اور چوتھے میں کنول کا پھول ہوتا ہے اور یہ انسان اور پرندے سے مرکب ایک جانور پر سوار ہوتا ہے۔

شیو

ہندوؤں کے یہاں اسے ”دشنو“ کی ضد سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ زندگی کی پرانی صورتوں کو مٹاتا ہے، تعمیر و تخریب کی تمام قوتوں کا مالک ہے، ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارتا اور ہزاروں کو جنم دیتا ہے، ہزاروں جانور اس کے نام پر قربان کئے جاتے ہیں، ہندو عابد بڑی ریاضتیں اور نفس کشی کر کے رہبانیت کے مدارج طے کرتے ہیں اور اس طرح شیو کا تقرب حاصل کرتے ہیں چنانچہ ہندوستان کے اکثر سنیاہی (فقیر) اور درویش اسی کے پرستار تھے، اس کی پیشانی پر ایک تیسری آنکھ بھی ہوتی ہے جسے ”ترلوچن“ کہتے ہیں۔

شیو کی سب سے اہم علامت ”ترشول“ ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر جوگی ترشول اٹھائے ہوئے یا اپنے چہروں پر ترشول کی تصویر بنائے ہوئے نظر آتے ہیں، شیو کی بیویوں میں ”کالی“ سب سے زیادہ اہمیت اور مقبولیت کی حامی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ شیو سے بھی زیادہ خطرناک اور ہیبت ناک ہے چنانچہ بارہا اسے انسانی کھوپڑی کا گلہ بند پہنے، شکار کے گوشت کو پھاڑتے ہوئے اور خون پیتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

گاؤماتا

ہندو مذہب و ثقافت کی بنیاد ”گائے بلی کی پرستش اور اس کی عظمت کا اقرار“ ہے چنانچہ ہندوؤں کی قدیم کتابوں (ویدوں) اور جدید پرانوں میں بھی گائے کی پرستش

اور اس کی تعظیم کا ذکر موجود ہے جس کی وجہ سے ہندو معاشرے میں گائے کو ایک ”دیوتا“ کی حیثیت حاصل ہے بلکہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں تو گائے کے متعلق یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ ”سارا جہاں اور کل دیوتا گائے ہی کا سراپا ہیں“ اور آٹھر وید میں لکھا ہے کہ یہ تیل ہی ہے جس نے آسمان و زمین کو اپنے سر پر اٹھا رکھا ہے، اسی سے لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب تیل اپنا سینک بدلتا ہے تو زمین میں زلزلہ آتا ہے۔ بعض لوگ آکر دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ حدیث ہے؟ سو اس کا جواب بھی واضح ہو گیا کہ یہ تو ایک ہندوانہ نظریہ ہے۔

میڈیا کی وجہ سے مسلمان ہندو ثقافت سے انتہائی متاثر ہو رہے ہیں کیونکہ میڈیا آج کل تین طاقتوں کے ہاتھ کا کھلونا بنا ہوا ہے۔

(۱) ہندو (۲) یہودی (۳) عیسائی

اور چونکہ یہ تینوں طاقتیں آخرت کے تصور کو بالکل بھلا چکی ہیں اور ان کے ذہنوں میں اب آخرت کا کوئی تصور باقی ہی نہیں رہا اس لئے وہ بے دریغ اسی ذہنیت کو پھیلا رہی ہیں، ہمارا آج کا مسلم نوجوان اس چیز پر توجہ کئے بغیر ان کے دام فریب کا شکار اور عقیدہ آخرت سے دستبردار ہوتا جا رہا ہے۔

بہر حال! بات دور نکل گئی۔ گائے پرستی ہندوؤں میں بڑھتی جا رہی ہے اور قدیم و جدید دور میں اس کا اثر اتنا وسیع ہوتا جا رہا ہے کہ ہندو اسے مقدس سمجھ کر اس کے گوبر کے ذرے چن کر کھاتے ہیں، اس کے گوبر کا پانی نچوڑ کر پیتے ہیں جیسا کہ ہندوؤں کی کتاب مہا بھارت میں موجود ہے۔

اسی طرح ہندو مذہب کی ایک اور مقدس کتاب ”منوسمیتی“ میں ہے کہ گائے کا گوبر اور پیشاب گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے، مہاتما گاندھی کا اب بھی کہنا ہے کہ ہندوستان میں جب تک ایک گائے بھی ذبح ہوتی رہے گی اس وقت تک ملک کو حقیقی معنی میں آزاد تصور نہیں کیا جاسکتا اور سوامی دیانند نے لکھا ہے کہ گائے ذبح کرنے کے جرم میں ہزاروں لاکھوں انسانوں کو ذبح کرنا چاہئے تاکہ گائے کو خوش کیا جاسکے۔

یہ تصور مسلمانوں کے ذہنوں میں بھی آہستہ آہستہ لاشعوری طور پر آتا جا رہا ہے اور وہ گائے کا گوشت کھانے سے پرہیز کرنے لگے ہیں اور ان کی اولین ترجیح چھوٹے گوشت کو حاصل ہوتی جا رہی ہے، ذہنیت کے اس معیار کو سنٹ نبوی ﷺ کے مطابق تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

گاوہا کے متعلق ایک انوکھا حکم

گائے چونکہ ایک مقدس جانور ہے اس لئے ہندو اس بات کو نہ پسند کرتے ہیں کہ شوروں (پنچلی ذات کے ہندوؤں) کے پاس گائے ہو بلکہ دیدوں میں یہ حکم صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ اگر گائے شوروں کے پاس ہو تو ان سے اسے چھین لیا جائے۔

فائدہ

ہندوؤں نے خود ہی اپنے آپ کو چار ذاتوں میں تقسیم کر رکھا ہے، سب سے اونچی ذات ”برہمن“ ہے، اس کے بعد ”کھشتری“، اس کے بعد ”ویش“ اور سب سے آخر میں ”شودر“ کا درجہ ہے اور ذات پات کی یہ تفریق ہندوستان میں آج بھی اس حد تک موجود ہے کہ اسٹیشن پر موجود ٹھنڈے پانی کی لگی ٹوینوں پر ”برائے برہمن، برائے شودر“ کی تفریقی علامات لکھی ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لئے ایک دوسرے کا پانی پینا بھی حرام ہے اور باہمی نکاح و تجارت بھی حرام ہے۔

چونکہ شودر وہاں بڑی تنگی کی زندگی گزار رہے ہیں، خود ہندو بھی انہیں انسان سمجھنے کے لئے تیار نہیں اس لئے انہیں اسلامی طرف رغبت پیدا ہو رہی ہے لیکن غربت ان کی راہ میں حائل ہے جس کا فوری حل یہ ہے کہ انہیں اپنی سالانہ زکوٰۃ کے ذریعے مالی امداد ہم پہنچائی جائے تاکہ یہ اسلام خوش دلی سے قبول کر سکیں اور انہیں ”مولفۃ القلوب“ قرار دیا جائے تو اس صورت میں یہ مصارف زکوٰۃ کی آیت قرآنی کا مصداق بھی بن سکیں گے۔

ہندوؤں کی مقدس کتابیں

ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں وید، اپرہن، مہا بھارت، ایٹھا اور رامائن وغیرہ

کے نام آتے ہیں جن کی مختصر سی وضاحت ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

وید:

لفظ ”وید“ کا مصدر ”وڈ“ ہے جس کا معنی ہے عقل، جاننا، سوچنا سمجھنا، غور و فکر کرنا، موجود ہونا اور حاصل کرنا وغیرہ۔ ”وید“ کا لفظ خود ”ویدوں“ میں استعمال نہیں کیا گیا بلکہ تقریباً دو ہزار سال کے عرصے میں ہندوؤں نے علوم اور رسوم سے متعلق جو مواد جمع کیا اسے ”وید“ کا نام دے دیا گیا، بعد کے تمام ہندو مصنفین انہی کا حوالہ دیتے اور مستند سمجھتے رہے ہیں۔

ویدوں کی ترتیب و تشکیل آریہ قوم کے ہندوستان میں آنے کے بعد ہوئی لیکن اس کے مکمل جانے کے قطعی دور کے بارے مؤرخین کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس کے ابتدائی بھجن دو ہزار قبل مسیح میں خوب عروج پر تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس سے پہلے معرض تحریر میں آچکے تھے اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ویدی ادب کا بہت سا حصہ چند دسویں چار سو قبل مسیح میں معرض تحریر میں آیا۔ تاہم بنیادی ویدیں ”چوڑ“ ہیں۔

(۱) رگ وید:

اس وید میں دس ہزار منتر یا مناجاتی گیت ہیں، یہ وید مکمل طور پر نظم میں ہے جس میں ہندوؤں کے خداؤں کی تعریف اور بزرگی سے متعلق گیت جمع کئے گئے ہیں اور دیوتاؤں کو نوحہ طلب کر کے ان سے دعائیں مانگی گئی ہیں۔ یاد رہے کہ رگ وید باقی تمام ویدوں میں سب سے پرانا ہے۔

(۲) یجر وید:

یجر وید کا معنی ہے رسومات کا علم، یہ وید مکمل طور پر رگ وید سے ماخوذ ہے اور اسے قربانی کے موقع پر گایا جاتا ہے۔

(۳) سام وید:

اس وید میں صرف راگ اور گیت ہیں جو پردہتوں کی طرف سے قربانی پر پڑھے جاتے ہیں، اس کے کئی منتر رگ وید سے ماخوذ ہیں، تاہم تاریخی طور پر اس وید کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

(۴) اتھرو وید:

اس وید میں چھ ہزار منتر یا مناجاتی گیت ہیں، تقریباً ایک ہزار دو سو منتر رگ وید سے ماخوذ ہیں، یہ وید تقریباً نصف حصے میں نثر پر مشتمل ہے اور اس کا زیادہ تر حصہ جادو اور خیالی باتوں سے متعلق ہے اور یہی وہ وید ہے جس میں نظریہ ہمہ دوست کی تعلیم موجود ہے۔

یاد رہے کہ اتھرو وید کا معنی ہے "رشی اتھرو کی طرف سے دیا جانے والا علم" رگ وید کے بعد اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اور اس میں دیوتاؤں کے لئے ادا کی جانے والی مقبول عبادتوں میں استعمال ہونے والی رسومات کا ذکر بھی ملتا ہے۔

ویدی کتب کے حصے:

ویدی کتب میں سے ہر ایک کے چار حصے ہوتے ہیں۔

(۱) دیوتاؤں کے لئے مناجاتی گیت اور منتروں کا حصہ۔

(۲) رسوماتی مواد جس میں قربانی وغیرہ کرنے کے مناسب طریقے اور رسومات ہدایت کی گئی ہیں۔

(۳) آرنیک یعنی سنہاسیوں کے لئے ہدایت نامہ۔

(۴) اپنہدہ۔ اس کی مکمل وضاحت مختصر یہ آیا جاتی ہے۔

ویدوں پر تبصرہ:

ویدوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ویدیں جدیدی اور تحریف سے پاک

نہیں ہیں، خود ہندو مذہب کے راہنماؤں کا اعتراف ہے کہ موجودہ ویدیں الہامی نہیں ہیں۔

ہندو مذہب میں ان ویدوں کے شاعر کو ”رشی“ کہا جاتا ہے لیکن ”رشی“ کی جو تعریف ہندو مذہب میں کی جاتی ہے وہ ”رسول“ کی تعریف سے ملتی جلتی نہیں ہے اسی لئے ہندو مذہب میں ”رشی“ کو اسلام کی طرح رسول یا نبی قرار نہیں دیا جاتا۔

گانا ہندو مذہب کا حصہ

چونکہ ویدیں مناجاتی گیتوں پر مشتمل ہوتی ہیں اس لئے گانا ان کے مذہب کا حصہ ہے اور اس سے وہ اپنے سامعین کو سامان تفریح فراہم نہیں کرتے بلکہ عبادت سمجھ کر ایک مقدس مقصد اور فریضے کو ادا کرتے ہیں لیکن مسلمان اس چیز سے بالکل بے خبر ہیں انہیں اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ ہندوؤں کا ہر گیت اور گانا ان ویدوں کے مطابق ہوتا ہے اور ہر گیت میں ان کا مذہبی پیغام ضرور ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہندو اسے مقدس کام سمجھتے ہیں اور جب امیر خسرو نے اسلامی تعلیمات کو گیتوں کی صورت میں ہندوؤں کے سامنے پیش کیا تو بہت سارے ہندو انہیں سن کر ہی مسلمان ہو گئے۔

بعد میں اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ لوگوں نے گیتوں کے ذریعے مذہبی پیغام پہنچانے کا سلسلہ جاری رکھا جو آج کل ”قوالی“ کی صورت میں موجود ہے لیکن اس طرح اسلام کا کوئی اصول نہیں بن سکتا، اس لئے قوالی کو جزو شریعت قرار دینا قرین انصاف نہیں ہے چنانچہ خود حضرت سید علی ہجویریؒ نے اپنی مشہور کتاب ”کشف المحجوب“ میں ایک باب کے تحت قوالی کے جواز کی کچھ شرائط تحریر فرمائی ہیں جو بدستوری سے آج کل کسی بھی قوالی میں نہیں پائی جاتیں اس سے قوالی کا جواز بھی باقی نہ رہا۔

موجودہ معاشرے کی بھیانک تصویر

آج ہمارے معاشرے میں ”قوالی“ کو بھی ایک مقدس عبادت سمجھ کر ادا کیا جاتا ہے، ہزارات اور درباروں کو چھوڑ کر اب اس کا سلسلہ مساجد تک وسیع ہو گیا ہے اور گذشتہ

پانچ سالوں میں یہ چیز اتنی پھیلی ہے کہ ”نعت“ کو دف کے ساتھ پڑھنے کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا۔ قرآن کریم کو ساز کے ساتھ پڑھنے کی وبا اتنی پھیلی کہ آج بازار میں اس کی کیسٹیں بک رہی ہیں، اور ہندو ذہنیت سے متاثر افراد نے ”اسلام اور موسیقی“ کے نام پر کتابیں لکھنا شروع کر دیں جس کی وجہ سے پاکستان میں بھی آہستہ آہستہ ہندو ذہنیت اپنا اثر دکھانے لگی، پہلے دف، پھر ساز اور پھر موسیقی اور گانا مسلمانوں میں رواج پاتے چلے گئے۔
(اعوذ باللہ)

اُپ نشد

ہندوؤں کے نزدیک ویدوں کے بعد دوسرے درجے کی کتابیں ”اُپ نشد“ ہیں بلکہ بعض ہندوؤں کے نزدیک تو ان کا درجہ ”ویدوں“ سے بھی بڑھا ہوا ہے، دراصل ”اُپ نشد“ کا معنی ہے کسی کے قریب بیٹھنا، زمانہ قدیم میں ہندوؤں کے وین شگرود جب مسلم کے قریب جا کر بیٹھتے تو وہ ان کے سامنے زندگی کے فلسفے بیان کرتا اور انہیں کائنات کے راز ہائے سر بست سے واقف کرتا، بعد میں انہیں ستابی شکل دے دی گئی اور وہ ”اُپ نشد“ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔

”اُپ نشد“ کا بنیادی موضوع روح، خدا اور نیچر (فطرت) ہے اور اس کی تعینات کے مطابق خدا ”شخصی“ بھی ہو سکتا ہے اور ”غیر شخصی“ بھی، شخصی ہونے کی صورت میں وہ کائنات کا مالک و حاکم اور اسے تباہ و برباد کرنے والا ہوتا ہے، دنیا میں بسنے والے تمام افراد کی قسمت اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، مجھے کام کرنے والوں کو وہ جزا اور برکت کام کرنے والوں کو سزا دیتا ہے، یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ”اُپ نشد“ کے مطابق خدا کسی خارجی، دے سے دنیا کو نہیں پیدا کرتا بلکہ اپنے اندر سے پیدا کرتا ہے۔

غیر شخصی ہونے کی صورت میں ”اُپ نشد“ نے خدا کی تصویر کشی یوں کی ہے۔
”نہ وہ قہیل ہے اور نہ کثیر، نہ قصیر ہے اور نہ طویل، آگ کی طرح
سرخ ہے اور نہ پانی کی طرح مائع، اس تاریکی میں وہ بغیر ذرات

اور بغیر آنکھوں، بغیر سماع، بغیر دماغ اور بغیر سانس کے ظاہر و باطن میں موجود ہے۔“

”اپ نشد“ کا پہلا سبق یہ ہے کہ انسان کا ذہن محدود ہے لیکن آتما (روح نامہ روح) کے ذریعے وہ حقیقت کو پا سکتا ہے البتہ اس حقیقت کو پانے کے لیے ”مراقبہ“ ضروری ہے جسے ہندو ”یوگا“ کہتے ہیں اور یہ دیوتاؤں کے لئے بھی ضروری ہوتا ہے، مراقبہ کی حالت میں انسان کی روح آتما کو سمجھتی ہے کیونکہ وہ خود اس آتما کا جزو ہوتی ہے اور بالآخر انسان کی شخصیت فی ماہو جاتی ہے۔

یوگا کی حقیقت اور پاکستان میں اس کے اشتہارات

اصل میں یہ ایک پورا نظام فکر ہے جسے ”یوگا نظام فکر“ کہا جاتا ہے، لفظ یوگ در حقیقت ”یوچ“ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے جوتنا، شامل کرنا، اس کا موجودہ فلسفہ ”رشی“ کے ذریعے ترقی پذیر ہوا جس کا دور دو سو قبل مسیح اور پانچ سو عیسوی کے درمیان تھا۔ اس کا بنیادی نعرہ ”روح کی تسکین“ ہے اور اب پاکستان میں بھی ”یوگا“ کے اشتہارات دیکھے جاسکتے ہیں کہ اپنا جسم ہلکا کر دائیں، اولاد نہ ہونے کی صورت میں یوگا سے علاج کر دائیں، سکون حاصل کریں، مسلمان ان پر کشش نعروں سے متاثر ہو کر ہزاروں روپے لگا کر اپنا علاج کر دیتے ہیں بلکہ اگر زیادہ صحیح الفاظ میں کہا جائے تو سب سے پہلے اپنے ایمان کا سودا کرتے ہیں اس کے بعد بیماری کا سودا ہوتا ہے اس لئے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لی جانی چاہئے کہ ”یوگا“ ہندوؤں کا مذہبی شعار ہے اور ان کی مذہبی عبادت بھی، اس لئے اس طریقے کے مطابق علاج کر دانا ہرگز نہیں۔

”اپ نشد“ کی تعلیمات اور اس کے مضامین

اپ نشد کی تعلیمات کے مطابق نجات کا ذریعہ ”ریاضت“ ہے اور یہ کہ مجاہدات کے ذریعے تمام خواہشات نفسانی کو یکجہل کر اپنی آتما (روح) کو کائنات میں مدغم کیا جاسکتا ہے۔

اپ نشد بھی نامعلوم افراد کی تصنیف ہے، عام طور پر اپ نشدوں کو ہندو تصوف اور فلسفے کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ اور اس میں قدیم فلسفہ نہ مباحث ملتی ہیں جو بعد کے تمام ہندو فلسفے کی بنیاد بنیں، اپ نشد میں موجود مقالہ جات کی تعداد تقریباً دو سو ہے جن میں سے چودہ مقالے ایسے ہیں جو بنیادی اہمیت کے حامل ہیں لیکن اپنی پیچیدہ اور مشکل مباحث کی وجہ سے عوام کے لیے ان سے استفادہ کرنا خاصا دشوار ہے البتہ ہندوستانی دانشوروں میں انہیں خوب مقبولیت حاصل رہی ہے اور اس کی تصنیف کا زمانہ ہندوؤں کے مطابق ۸۰۰ ق م ہے۔

اپ نشد کی بنیادی تعلیمات میں وحدت الوجود، گیان دھیان اور سناخ (آواگون) جیسی چیزیں شامل ہیں اور اس میں نجات کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں جو انشاء اللہ عنقریب تفصیل کے ساتھ بیان ہوں گے۔

فائدہ:

یاد رہے کہ ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے کوئی بھی شخص مخصوص کیفیات حاصل کر سکتا ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا ہندو، البتہ فرق یہ ہوگا کہ مسلمان سے صادر ہونے پر اسے "کرامت" اور غیر مسلم سے صادر ہونے پر اسے "استدراج" کا نام دیا جاتا ہے جو کہ اللہ کی طرف سے ایک ڈھیس ہوتی ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی سوانح عمری لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ عمر کے آخری ایام میں حضرت پرغشی طاری ہو جایا کرتی تھی، بہت عذاب معالج کیا لیکن مکمل طور پر افاق نہ ہوتا، اس زمانے میں ایک ہندو دشمنی کے دوروں کا دم کرتا تھا، لوگوں نے حضرت کو بھی اس سے دم کروانے کا مشورہ دیا لیکن حضرت نے انکار کر دیا اور فرمایا اسے میرے گھر میں بھی نہ لانا۔

کچھ دنوں کے بعد پھر غشی کا دورہ پڑا اور وہ اتنا حویل ہوا کہ حضرت کو افاق نہ ہوتا تھا، لوگ اس ہندو کو بلانے کے لیے چلے گئے، واپس آ کر دیکھا تو حضرت کو افاق ہو چکا تھا۔ آپ نے اس ہندو کو بٹھا کر اس سے پوچھا کہ تجھے یہ کمال کیسے حاصل ہوا؟ اس

نے کہا پچاس سال تک نفس کشی کرنے کی وجہ سے! فرمایا تیرا نفس مسلمان ہونا چاہتا ہے؟ اس نے کہا نہیں! فرمایا کلمہ پڑھ لے ورنہ یہ کمال تجھ سے چھین جائے گا۔ یہ سنتے ہی اس نے کلمہ پڑھ لیا تو معلوم ہوا کہ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں، کسی کو بھی یہ کیفیات حاصل ہو سکتی ہیں۔

شاستر

جن کتابوں کا تعلق ہندوؤں کے عمومی فلسفے کے ساتھ ہوا نہیں ”شاستر“ کہا جاتا ہے، اس فلسفے کی مختلف شاخیں ہیں جن میں سے ایک شاخ کو ”اسٹک“ اور دوسری کو ”ناستک“ کہا جاتا ہے۔

اسٹک

شاستر کی اس شاخ کو غلطی سے پاک اور مبرا سمجھا جاتا ہے۔ اس کا مصنف ”ساکھ شیل“ کو قرار دیا گیا ہے جو کہ خدا کی ذات کا منکر اور محض عقل و فلسفہ کی بنیاد پر نجات کا حامی تھا۔

ناستک

شاستر کی اس شاخ کو خود ہندو بھی غلطی سے پاک اور مبرا قرار نہیں دیتے جس سے اس کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے اور اس سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

دوسرا شاستر یوگ:

اس شاستر کی رو سے الیشور (خدا) اور آتما (روح) دو الگ الگ چیزیں ہیں، انہیں ایک قرار دینا صحیح نہیں، اس فلسفے کی اہمیت یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے والا اپنے اندر ایک ایسی قوت پیدا کر لیتا ہے جس کے ذریعے انسان ہوا میں اڑ سکتا ہے، دریا پر چل سکتا ہے اور مٹیوں کے دلوں کی باتیں اور بھید معلوم کر سکتا ہے۔

تیسرا شاستر ویدانت

ویدانت کا معنی ہے ”ویدوں کا اختتام اور انتہا“۔ یعنی ویدانت فلسفہ ویدوں میں موجود مذہبی تعلیم کی انتہی کی چوٹی ہے، سب سے پہلے ویدانت فلسفے کی تشکیل رشی بادرانی نے کی جو تقریباً ۱۵۰۰ ق م اور ۵۰۰ ق م کے درمیان گزرا ہے اور اسی نے ”ویدانت سوترا“ نامی کتاب لکھی۔

اس شاستر کا بنیادی فلسفہ اپنہدوں کی تعینات کا نچوڑ ہے جس پر ہندو تصوف کی بنیاد ہے، اس شاستر کی رو سے کائنات کی ہر شے برہما (خدا) ہے، انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ کو ترک کر کے خود برہما بن جائے۔

چوتھا شاستر میمنسا

یہ شاستر ”جینی جی“ کی تصنیف ہے جس میں قربانی سے متعلق احکام بتائے گئے ہیں اور انسان کو اپنے ارادے میں مکمل خود مختار قرار دیا گیا ہے اور اس فلسفے کے پیروکار خدا کے قائل نہیں ہیں۔

پانچواں شاستر مینا یہ

یہ شاستر ”گوتم بدھ“ نے ترتیب دیا ہے جو تیسری صدی قبل مسیح میں گزرا ہے اور فلسفے کے بعض طلباء اسے ”ہندوستان کا ارسطو“ کہتے ہیں (اس کی مکمل سوانح ”بدھ مذہب“ کے تحت آئے گی انشاء اللہ) اس فلسفے میں انسان کو مجبور محض قرار دیا گیا ہے اور منطق کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔

چھٹا شاستر ویسے شا

اس شاستر کو ”کنڈا نامی مصنف نے ترتیب دیا ہے جس میں طبعیاتی فلسفہ اور مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ اس پوری کتاب کو سیکس اور ہنسی خواہش کی تکمیل کے طریقوں سے بھر دیا گیا ہے اور اسی کے فلسفے کو اس میں دہرایا گیا ہے۔ گوکہ شاستر میں بھی ہنسی

خواہشات کی تکمیل کے طریقے مذکور ہیں اور کوک شاستر دراصل اسی شاستر کا ایک حصہ ہے۔

مسلمانوں میں اس سے ملتی جلتی ایک وہا چل پڑی ہے جس کا نام ہے ”زبان کا چمکا“ یعنی کھانے پکانے کے نئے سے نئے طریقے جن کے ذریعے لذت کا مہو و ہن کو پورا کیا جاسکے اور اس مقصد کے لئے بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں جو مہنگے داموں فروخت ہو رہی ہیں، اور اصول یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ ”زندہ رہو کھانے کے لئے“ حالانکہ اسلام نے یہ اصول سکھایا ہے کہ ”کھانا کھاؤ زندہ رہنے کے لئے“۔ سوچ اور فکر کا ذرا سا زاویہ بدلنے سے کتنا فرق پڑ جاتا ہے یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

رامائن

یہ ہندوؤں کی ایک مقدس تاریخی کتاب کا نام ہے لیکن ہندو اس کی تصنیف کا زمانہ متعین نہیں کر سکے۔ ہندوؤں کے مطابق یہ کتاب مختلف مصنفین نے اپنے اپنے انداز میں لکھی ہے، یہ کتاب مغربی بحال اور بہار کی مذہبی روایات کی آئینہ دار ہے تاہم مذہبی نقطہ نظر سے اس کی اہمیت ”مہا بھارت“ سے کم ہے۔

”رامائن“ نامی مقدس کتاب رام کالی واس اور یم چند نے بھی لکھی ہے لیکن ہندوؤں میں اس کی نسبت وائیک کی رامائن زیادہ شہرت اور مقبولیت کی حامل ہے، اس کے ساتھ ساتھ ہندو اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ اس میں تحریف ہو چکی ہے، موجودہ رامائن میں پہلے اور ساتویں باب کا اضافہ ہوا ہے اور اس کے علاوہ باقی متن میں بھی بہت زیادہ رد و بدل ہو چکا ہے، رامائن میں کل اڑتالیس ہزار اشعار ہیں جن میں سری رام چندر جی کی ان لڑائیوں کا ذکر ہے جو انہوں نے سری لکا کے بادشاہ راون سے اپنی بیوی سیتا جی کو چھڑانے کے لیے لڑی تھیں۔

مہا بھارت

یہ ہندوؤں کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے اور اسی کی مناسبت سے اس ملک کو

”بھارت“ کہا جاتا ہے ورنہ تقسیم سے پہلے اس پورے خطے کو ہندوستان کہا جاتا تھا، اس کتاب میں دو لاکھ پندرہ ہزار اشعار ہیں، ہندوؤں کے نزدیک اس کا مصنف ”ویاس جی“ ہے، مہا بھارت دراصل ایک جنگ کا نام ہے جس کا زمانہ ۶۰۰ ق م بیان کیا جاتا ہے، مشہور ہے کہ ”ویاس جی“ نے اس جنگ کا آنکھوں دیکھا حال اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے جس سے اس کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

اصل میں یہ جنگ نیشاپور کے دو خاندانوں کے درمیان ہوئی تھی اور پورے اٹھارہ دن جاری رہی۔ مہا بھارت میں اس جنگ کے تذکرے کے ساتھ ساتھ تصوف کے تصورات اور بہت سی افسانوی باتیں بھی لکھی گئی ہیں، موجودہ مذہب کی بنیاد یہی کتاب ہے لیکن اس کے بھی کئی نسخے ہیں اور مسٹر گونداس کے مطابق اس کے ہر نسخے میں بے انتہاء اختلاف پایا جاتا ہے۔

گیتا

اس کتاب کا پورا نام ”بھگوت گیتا“ ہے، درحقیقت یہ ”مہا بھارت“ ہی کا ایک حصہ ہے اور ہندو بھی اسے ”مہا بھارت“ ہی کا حصہ سمجھتے ہیں، گیتا کے مصنف کا نام ”سری کرشن جی مہاراج“ ہے، دراصل یہ ان نصیحتوں کا مجموعہ ہے جو کرشن جی مہاراج نے ”ازجن“ کو کی تھیں، اس کے کل اٹھارہ ابواب ہیں جنہیں تین حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے اور ہر حصہ چھ بابوں پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر داس مہتا کا کہنا ہے کہ گیتا کوئی مستقل تصنیف نہیں بلکہ اس کی اکثر تعلیمات اپنشد سے ماخوذ ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کس دور کی تصنیف ہے اور آج کل ہندوؤں کے یہاں اس کتاب کو تمام کتابوں میں سب سے زیادہ اہمیت دی جارہی ہے کیونکہ قدیم ویدوں میں جو تعلیمات دی گئی تھیں، ہندوؤں نے انہیں بھلا دیا تھا، عمل نام کی کوئی چیز ان کی زندگی میں نہیں رہی تھی، ان کی زندگی میں جمود طاری ہو گیا تھا، ان کی سوچ اور زندگی غیر متحرک ہو چکی تھی، گیتا کے ذریعے ہندو قوم کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اس لئے اب ہندوؤں میں گیتا کی تعلیم عام ہے اور موجودہ ہندو معاشرے نے گیتا کے علاوہ باقی

تمام کتابوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

گیتا کے متعلق چندت جو ابرہلال شبر و کا کہنا ہے کہ آج ہندوؤں کے ہر فلسفے اور سوچ کا مرکز گیتا ہے۔

﴿ہندو دھرم (مذہب) میں مارگ (نجات) کے طریقے﴾
 ”نجات“ کے لئے ہندی زبان میں مارگ (یا مٹی) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، نجات حاصل کرنے کے ہندو مذہب میں مختلف طریقے ہیں جنہیں یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

(۱) کو مارگا (راہِ عمل)

اس فلسفے کے تحت ہندوؤں کے یہاں یہ عقیدہ رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ ابدی قانون کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے اور قربانی اور عبادت جو کہ انسانی اعمال ہیں، کے ذریعے دیوتوں کی مرضی پوری کی جاسکتی ہے، پھر اس کے ثمرہ اور نتیجے کے طور پر بارش، طوفان، سورج کا طلوع و غروب وغیرہ امور ظاہر ہوتے ہیں۔

گذشتہ صفحات میں یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ خود ہندوؤں نے اپنے آپ کو چار ذاتوں میں تقسیم کر رکھا ہے، ان میں سے ہر ایک کی راہِ عمل، رنگ اور متعین ہے۔

(الف) برہمن کے لئے صرف ”حصولِ علم“ ہی ذریعہ نجات ہے۔

(ب) کھشتری کے لئے برہمنوں کو خیرات دینا اور جنگوں میں شرکت کرنا ذریعہ نجات ہے۔

(ج) ویش کے لئے کھیتی باڑی کرنا اور مویشی پالنا ذریعہ نجات ہے۔

(د) شودر کے لئے پہلے تینوں طبقوں کی خدمت کرنا ذریعہ نجات ہے۔

(۲) جٹانا مارگا (راہِ علم)

ہندو مذہب کے بڑے راہنما کو ”پردہت“ کہتے ہیں۔ پروہتوں نے کو مارگا

یعنی راہ عمل کے ذریعے نجات حاصل کرنے پر بہت زیادہ زور دیا جس کے نتیجے میں تاریخ (آواگون) کا نظریہ سامنے آیا، بعد میں جب ہندو مفکرین نے غور کیا تو پتہ چلا کہ صرف راہ عمل پر چلنے سے نجات نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے سب سے پہلے یہ بات قابل غور ہے کہ ”عمل“ کیا چیز ہے اور دوسرے نمبر پر یہ کہ وہ کون سا قانون ہے جس کے مطابق زندگی گزارنے سے انسان عمل اور رد عمل کے دائرے سے نکل کر نجات حاصل کر سکتا ہے۔

اس دوران ہندو مفکرین کے سامنے بہت سے موضوعات آئے مثلاً کائنات کا آغاز، تقدیر انسانی، حقیقت و ماہیت انسانی وغیرہ۔ ان موضوعات کو سامنے رکھ کر انہوں نے نجات کے لئے راہ عمل کے ساتھ ”جنانا مارگا“ یعنی راہ علم کا انتخاب کیا جس سے یہ بات بھی روشن ہو گئی کہ ہندو مذہب میں عمل کا وجود مقدم ہے اور علم کا حصول مؤخر کیونکہ اتنی بات تو ثابت اور طے شدہ ہے کہ ہندو مذہب میں ”راہ عمل“ کا تصور ابتدائی ہے اور ”راہ علم“ کا تصور ”ٹائوی“ اس لئے اس بات کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ ہندو مذہب میں عمل کا وجود مقدم ہے اور علم کا حصول مؤخر۔

(۳) بھگن مارگا (راہ ریاضت)

جس طرح ”مارگ“ کا معنی ”نجات“ ہے اسی طرح اس معنی کے لئے ”یکتی“ کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ جس جماعت نے بنگالیوں کو بنگالیوں سے نجات دلائی اس کا نام ”یکتی بہانی“ تھا، اس کی مناسبت سے نجات کے لئے یہی لفظ استعمال ہونے لگا۔ یکتی حاصل کرنے کا تیسرا طریقہ ”ریاضت“ ہے جسے ”بھگتی“ بھی کہا جاتا ہے، اس کی آسان تعریف یوں کی جاتی ہے۔

”محبت کے ساتھ ایک شخصی دیوتا کی پوجا کی جائے۔“

یعنی ایک شخص خدا پر ایمان رکھتے ہوئے اس سے ایسی محبت ہو کہ ہر چیز اس کے لئے وقف کر دی جائے۔

ریاضت یا بھگتی کا اصل سرچشمہ ”وید“ ہیں، ہندوؤں کے ابتدائی دور میں ریاضت پر اتنا زور نہیں دیا گیا لیکن موجودہ ہندوؤں میں نجات کے تین طریقوں میں سب

سے زیادہ اہمیت ”ریاضت“ ہی کو دی جا رہی ہے اور اس میں فاقہ کشی، نفس کشی، جہد کشی اور مراقبہ کشی وغیرہ بھی داخل ہیں۔

ہندوؤں میں ذات پات کی تفریق

ذات پات کی تفریق ہندو مذہب میں انتہائی بدترین ہے اور خود ہندو بھی اس سے کراہت کرنے لگے ہیں لیکن ہندو مصلحین بھی اس تفریق کو ختم کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔

دراصل ذات پات کی یہ تفریق ان کی مذہبی کتابوں کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے چنانچہ وید میں لکھا ہے۔

”برہمن، پر ماتما (روح الارواح) کے منہ سے پیدا ہوئے کھشتری،

پر تما کے بازوؤں سے پیدا ہوئے، ویشی پر ماتما کی رانوں سے پیدا

ہوئے اور شودر پر ماتما کے پاؤں سے پیدا ہوئے۔“

اسی طرح وید میں یہ بھی لکھا ہے،

”وید کے لئے برہمن پیدا کیا گیا ہے، حکومت کیلئے کھشتری پیدا

کیا گیا ہے، کاروبار کے لئے ویشی پیدا کیا گیا ہے اور دکھ اٹھانے

کے لئے شودر پیدا کیا گیا ہے۔“

ذات پات کی تفریق مسلمانوں میں

ذات پات کی یہ تفریق ہندوؤں سے بڑھ کر مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گئی ہے اور مسلمانوں میں بھی اعلیٰ، ادنیٰ، امیر اور غریب کے درمیان امتیاز برتا جانے لگا ہے، غریب کے ساتھ نشست و برخاست خاص دینی مجالس میں بھی باعث عار محسوس کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ کھانا کھانا اپنی ذلت سمجھا جاتا ہے، امت مسلمہ کے لئے یہ ایک لمحہ فکر یہ ہے کہ ہندو اُن تہذیب کس غیر محسوس اور خفیہ طریقے سے اس پر اثر انداز ہو رہی ہے، اور کس طرح ہم خواب غفلت کا شکار ہیں۔

ہندو مذہب میں شوروں کی حیثیت

ہندو ازم میں شوروں پر اس قدر مظالم ڈھائے جاتے ہیں کہ جس کا تصور بھی مشکل ہے نمونے کے طور پر ”نٹو شاستر“ میں شوروں کے متعلق تحریر شدہ مضابطہ ملاحظہ ہو۔

”شوروں جس عضو سے براہمن کی سب عزتی کرے، اس کا وہ عضو کاٹ دو، اگر وہ براہمن کے برابر بیٹھ جائے تو اس کے کوہے کٹوا دو اور اسے ملک بدر کر دو اگر وہ وید کی عبارتیں سن لے، تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دو اور اگر انہیں پڑھ لے تو اس کی زبان کاٹ دو اور اگر وہ اسے یاد کرنا چاہے تو اس کا دلی چیر دو۔“

ہندو دھرم میں ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ جس ذات کا انسان جس ذات میں پیدا ہوتا ہے وہ مرتے دم تک اسی ذات میں رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں میں شادی صرف اپنی ذات کے لوگوں میں کی جاتی ہے اور یہ چیز آج کل مسلمانوں میں بھی پائی جا رہی ہے کہ اپنی ذات برادری کے علاوہ دوسری میں شادی نہیں کرتے خواہ لڑکی شادی کی عمر سے گزر جائے۔

سوامی دیانند نے لکھا ہے کہ مسلمان وغیرہ دیگر مذاہب کے لوگ اگر ویدک دھرم میں داخل ہوں تو وہ جس ذات کے لائق ہوں انہیں اسی میں رکھا جائے۔ یہ اسلام کی وسعت نظر فی ہے کہ اس نے نو مسلم اور قدیم الاسلام میں صرف تقویٰ کو معیار فضیلت قرار دے کر سب کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا اور خاندانوں برادریوں میں تقسیم کو عزت و ذلت کے بجائے باہمی تعارف کا ذریعہ بنایا ہم سے غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے اسے تعارف کے بجائے عزت و ذلت، فضیلت اور فضیحت کا معیار بنالیا۔

﴿نیوگ﴾

دنیا کے ہر دھرم اور مذہب میں مرد و عورت کے باہمی جنسی تعلق کو انتہائی اہمیت دی گئی ہے اور تقریباً تمام مذاہب میں اس سے متعلق مختلف احکامات بیان کیے گئے ہیں

تاکہ ان تعلقات کے ذریعے پاکیزہ اولاد اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آئے لیکن ہندو مذہب میں جنسی تعلقات اور جذبات کی تسکین اور حصول اولاد کا ایک انوکھا طریقہ ہے جو دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا اسے ”نیوگ“ کہا جاتا ہے، ایک رسم کے طور پر جدید ہندو مذہب میں اسے ”سوامی دیا نند“ نے متعارف کروایا جس کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

اگر کسی عورت کا شوہر انتقال کر جائے تو اس کی بیوہ کو باقی ماندہ ساری زندگی شادی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ قدیم زمانے میں عورت کو ”ستّی“ کر دیا جاتا تھا یعنی شوہر کی نعش کو جلانے کے ساتھ ساتھ بیوی کو بھی دہنوں والے کپڑے پہنا کر آگ میں جلا دیا جاتا تھا، تاہم اب یہ رسم متروک ہو گئی ہے اور اس کی جگہ نیوگ کی رسم کو جاری و ساری کیا جا رہا ہے، اور وہ یہ کہ بیوہ عورت دوسری شادی تو نہ کرے البتہ اپنے جنسی جذبے اور شہوت کو تسکین دینے اور اولاد پیدا کرنے کے لئے کسی بھی غیر مرد سے ہم بستری کر سکتی ہے۔

اسی طرح ”نیوگ“ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر تو موجود ہو لیکن اس سے اولاد نہ ہوتی ہو تو وہ کسی غیر مرد سے ازواجی تعلق قائم کر کے اولاد پیدا کر سکتی ہے اور اس عورت کو یہ اجازت دس مردوں تک سے ہم بستر ہونے تک وسیع ہے، سوامی دیا نند کے مطابق شادی یا نیوگ کے ذریعے مرد و عورت کو دس دس بچے پیدا کرنے کی اجازت ہے۔

اگر شادی شدہ مرد و عورت کی خاطر کسی اور ملک میں چلا جائے تو عورت آٹھ سال انتظار کرے، حصول علم کے لئے سفر کی صورت میں چھ سال اور اکتساب رزق کے لئے سفر کی صورت میں تین سال تک انتظار کرنے کے بعد عورت ”نیوگ“ کے ذریعے اولاد پیدا کر سکتی ہے۔

مادہ اور روح کے بارے ہندو عقیدہ

جدید ہندو مذہب کے مطابق مادہ اور روح دونوں ازلی اور ابدی ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مادہ اور روح میں کوئی بھی فرق نہیں بلکہ ان دونوں کو خالق کا درجہ حاصل ہے، اس اعتبار سے خدا بھی مادہ اور روح کا محتاج ہوا۔

﴿ہندو مذہب اور دین اسلام کا تقابلی جائزہ﴾

گزشتہ صفحات میں ہندو مذہب کی مولیٰ مولیٰ اور بنیادی باتیں ذکر کی گئی ہیں اور اختصار کے ساتھ ان کے عقائد کا تذکرہ بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا، اب یہاں ہندو ازم کا اسلام کے ساتھ تقابل کرنا ضروری ہے تاکہ ہندو مذہب کا بطلان اور اس کی جگہ دائمی اور اسلام کی حقانیت و صداقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے۔

(۱) پیغمبر کا تصور

ہندو مذہب میں کسی نبی یا رسول کا کوئی وجود بلکہ تصور تک نہیں، وہ اپنی مقدس کتابوں کے مصنفین کو "رشی" کے نام سے جانتے اور یاد کرتے ہیں البتہ آریہ قوم سے تعلق رکھنے والے وحی، الہام اور ہدایت الہی کے قائل ہیں جبکہ اسلام ایک ایسا دین ہے جس میں نبی اور رسول کا وجود اتنا ہی یقینی ہے جیسے رات کے بعد صبح کا آنا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا﴾ (المحل ۳۰)

”ہم نے ہر قوم میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔“

(۲) مساوات اور خاندانی تعارف

ہندو مذہب میں وید کے مطابق انسان پانچ درجوں پر مشتمل ہے۔

(۱) برہمن (۲) کھشتری (۳) ویشی (۴) شودر

جن میں برہمن سب سے زیادہ معزز ذات شمار ہوتی ہے اور شودر کو سب سے زیادہ گھٹیا ذات سمجھا جاتا ہے تو یہ ہندو مذہب میں ذات پات کی تفریق ہی عزت اور ذلت کا معیار ہے جبکہ اسلام نے اپنے دامن عدل و انصاف میں مساوات کی چادر کو اتار دیا ہے کہ دنیا کے سارے انسان اس کے نیچے آگئے اور ان کے مابین فضیلت اور عزت و بزرگی کا معیار تقویٰ قرار پایا جس میں تقویٰ کی یہ صفت یعنی زیادہ پاکیزگی وہ اتنا ہی مقرب

بارگاہِ خداوندی ہوگا، قرآن کریم میں اسی حقیقت کو آشکارا کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

﴿إِنَّ أَكْثَرَكُمْ كُفْرٌ عِنْدَ اللَّهِ أَتَفْكُرُ﴾ (الحجرات: ۱۳)

ربا خاندانی اور قبائلی امتیاز، سو قرآن کریم نے اسے باہمی تعارف کا ذریعہ قرار دیا ہے نہ کہ عزت اور ذلت کا معیار چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا﴾ (الحجرات: ۱۳)

(۳) عقیدہ توحید

ہندو مذہب میں تریمورتی کا عقیدہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ہندو ”ذاتِ خداوندی“ میں شرک کرتے ہیں اور اس کے علاوہ باقی دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش صفاتِ خداوندی میں شرک کا منہ بولتا ثبوت ہے جبکہ اسلام ایک لمحہ کے لئے بھی شرک کو برداشت نہیں کرتا اور ساری انسانیت کو ایک اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور تقاضائے صفات میں شرک کرنے سے روکتا ہے۔

حضرت عزیز یا عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دینا اللہ تعالیٰ کی ذات میں شرک ہے اسی طرح صاحبین یعنی ستارہ پرستوں کا ستاروں کی پوجا کرنا اور بت پرستوں کا بتوں کی پوجا کرنا بھی ذاتِ خداوندی میں شرک ہے جبکہ صفات میں شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی خالق، رازق، مالک، شافی، داتا، مشکل کشا، دیکھ کر فریاد رس اور اولاد عطا کرنے والا سمجھا جائے، شرک کی یہ دونوں قسمیں ناقابلِ معافی ہیں دلیل کے لئے ذیل کی آیت کا مطالعہ ضروری ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (النساء: ۱۱۶)

اس لئے شرک کی ان دونوں قسموں سے بچنا ضروری ہے اس کے ساتھ ساتھ صفات کے تقاضوں میں بھی شرک سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے چنانچہ اللہ کو معبود ماننے کے بعد تقاضا یہ بنتا ہے کہ عبادت بھی اسی کی ہو، غیر کے در پر سر نہ جھکے، اسی طرح اللہ کو رازق ماننے کا تقاضا یہ ہے کہ رزق کا سوال صرف اسی سے کیا جائے، اللہ کو ہر جگہ حاضر

و تاخر ماننے کا تھ ضایہ ہے کہ صرف اسی سے ڈرا جائے وغیرہ۔

(۴) ایمان بالغیب

ہندو مذہب میں مظاہر قدرت کی پرستش اور انہیں کو دعاؤں کا مرکز سمجھنا اس بات کی روشن اور کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اس میں ایمان بالغیب نامی کوئی چیز موجود نہیں اسی وجہ سے ہندو دکھائی نہ دینے والے خدا کی پرستش نہیں کرتے بلکہ ہندو اور مستشرقین (غیر مسلم یورپی محققین) مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا دین تو اندھا ہے کہ وہ ان دیکھی باتوں پر یقین رکھتے ہیں، جنت، جہنم، پل صراط اور ملائکہ کو ماننے میں ۷۰ ماکنہ کسی نے بھی انہیں دیکھا نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے یقیناً ایمان بالغیب کا حکم دیا ہے اور مسلمان بن دیکھے اللہ کی عبادت کرتا ہے، جنت اور جہنم پر ایمان رکھتا ہے لیکن وہ ہر ان دیکھی بات پر یقین نہیں کرتا اور نہ اسے درخور اعتناء سمجھتا ہے بلکہ مسلمان اسے اپنے پیغمبر کے اقوال و ارشادات کی روشنی میں تسلیم کرتا ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ پیغمبر اسلام کو تو کافر اور جانی دشمن بھی صادق و امین کہا کرتے تھے؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ جس پیغمبر نے ہندوؤں کے معاملات میں کبھی کذب بیانی سے کام نہ لیا ہو، وہ اللہ کے معاملے میں دروغ گوئی کرے گا؟ یقیناً ایسا نہیں ہو سکتا اس لیے اس میں غلطی کا بھی امکان نہیں جبکہ دنیا کی کسی بھی چیز پر نگاہ توجہ مبذول کی جائے تو اس کا علم حاصل کرنے کے ذرائع ہی یقینی نہیں تو غلطی سے محفوظ کہاں ہوں گے؟

مثلاً آپ اعظم ہم کو لے لیجئے! اس کا حکم پانچ ذرائع سے حاصل ہوتا ہے اخبارات، کتابیں، ریڈیو، ٹیلی ویژن، باہمی مکالمات لیکن ان پانچ میں سے کوئی ایک ذریعہ یقینی نہیں اس لیے اس کا علم غلطی سے محفوظ نہیں اور علوم نبوت جس راستے سے ہم تک پہنچے ہیں وہ اتنے محفوظ اور غلطی سے پاک ہیں جتنا ستاروں کا اپنی منزل پر رواں دواں ہونا۔

(۵) علم کی بنیاد

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو پانچ حواس عطا فرمائے ہیں جن کے ذریعے وہ محسوسات کو معلوم کرتا ہے اور غیر محسوسات کے لئے اللہ تعالیٰ نے ”دماغ“ کو پیدا فرمایا ہے۔ وہ پانچ حواس یہ ہیں۔

- (۱) قوت سامعہ: سننے کی طاقت
- (۲) قوت باصرہ: دیکھنے کی طاقت
- (۳) قوت شامہ: سونگھنے کی طاقت
- (۴) قوت ذائقہ: چکھنے کی طاقت
- (۵) قوت لامسہ: چھونے کی طاقت

اب کوئی آواز آپ کے کان میں پڑے تو اس کے حلال و حرام ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے ”وحی الہی“ کی ضرورت ہے چنانچہ وحی الہی نے اس سلسلے میں رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿الْعَنَاءُ يَنْبَغُ النِّفَاقُ فِي الْقَلْبِ كَمَا يَنْبَغُ الْمَاءُ الزُّرْعُ﴾

قوت باصرہ استعمال کرتے ہوئے انسان حلال و حرام کی پرواہ کئے بغیر جسے چاہتا ہے دیکھتا ہے، وحی الہی نے فیصلہ کیا

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَعْضُوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ (البور: ۳۰)

اسی طرح ہر عامیے کے لئے ”وحی الہی“ کی ضرورت اور اہمیت ہے اور یہی اسلامی علوم کا نقطہ آغاز ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اسلام میں راہِ علم کو فوقیت حاصل ہے اور مہم بھی وہ جس کی بنیاد انسانی سوچ پر نہیں بلکہ ”وحی الہی“ پر ہے جب کہ ہندومت راہِ عمل کو فوقیت دے کر راہِ علم کو موقوف قرار دیتا ہے۔

(۶) ضابطہ حیات

ہندو مذہب میں رسوم پرستی اور چند تاریخی کہانیوں کی نتیجہ فیزی کے علاوہ زندگی گزارنے کا کوئی ضابطہ اور اصول پیش نہیں کیا گیا اور اس مذہب کی مقدس و مذہبی کتب بھی ضابطہ حیات کے بیان سے خالی اور تہی دامن ہیں جبکہ اسلام نے اپنے پیغمبر کا روں کو اخلاقی، اقتصادی، معاشرتی اور روحانی ہر طرح کے ضابطہ حیات سے نوازا ہے جس کی روشنی میں وہ اپنی زندگی کے مدارج طے کرتے ہیں کیونکہ دین اسلام کے پانچ شعبے ہیں۔ (۱) ایمانیات (۲) اخلاقیات (۳) عبادات (۴) معاملات (۵) معاشرت اور اسلام نے ان پانچ شعبوں میں اتنی کھل راہنمائی فرمائی ہے جس کے بعد کسی دوسری وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

(۷) عالمگیریت

ہندو مذہب ایک محدود و دھرم ہے جو اپنے دامن میں صرف ان ہندوؤں کو جگہ دیتا ہے جو بانیِ برہمن یعنی پیدائشی ہندو ہوں، کسی اور مذہب یا قوم سے تعلق رکھنے والے کو اولاد تو یہ اپنے مذہب میں شامل ہونے ہی نہیں دیتے لیکن اگر کوئی اصرار کر کے ہندو مذہب قبول کرنا چاہے تو اسے سچ گھٹیا ذات کے درجے میں رکھا جاتا ہے اور یہ چیز آج تک موجود ہے۔

اسکے برعکس اسلام ایک عالمگیر مذہب اور قرآن ایک عالمگیر قانونی کتاب ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ (ص: ۸۷)

اور پیغمبر اسلام کے ذریعے یہ اعلان بھی کروایا گیا

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾

(الاعراف: ۱۵۸)

اس لئے دین اسلام قیامت تک ہر نسل اور قوم، ہر خطے اور مملکت، ہر رنگ

ورپ اور ہر بولی بولنے والے عربی و عجمی کے لئے ایک عالمگیر مذہب کی صورت میں موجود رہے گا اور اسلام اپنے دامنِ رحمت میں ہر ایک کو پناہ دے کر دوسرے مسلمانوں کے برابر اس کے حقوق بھی تسلیم کرتا رہے گا۔ انشاء اللہ

(۸) نجات کے طریقے

ہندو مذہب میں نجات کے تین طریقے ہیں۔ (۱) علم (۲) عمل (۳) ریاضت جبکہ اسلام میں نجات کے طریقے دو ہیں۔ (۱) ایمان (۲) عمل۔ ریاضت کوئی الگ شعبہ نہیں بلکہ عبادات کا ایک جزو ہے اور عبادات دو طرح کی ہیں۔ (۱) بدنی (۲) مالی اور ”دین“ ان دونوں کے مجموعے کو کہتے ہیں۔

(۹) تناسخ یا جہان نو

ہندو مذہب کے بنیادی عقائد میں تناسخ یا آدامگون بھی شامل ہے، جس کے مطابق ہر انسان ایک مرتبہ مرنے کے بعد دوبارہ نئے وجود کے ساتھ جنم لیکر دنیا میں آتا ہے جبکہ اسلام کا تصور اس کے بالکل برعکس اور مبنی بر حقیقت ہے اور وہ یہ کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ آخرت میں ملے گا، نیک اعمال کا بدلہ جنت کی صورت میں اور برے اعمال کا جہنم کی صورت میں دیا جائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض اوقات انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جاسکتا ہے۔

(۱۰) نکاح اور نیوگ

نیوگ ہندو دھرم میں ایک مذہبی حیثیت کا حامل عمل ہے جس میں ایک عورت بیوہ ہونے یا شوہر کی گمشدگی یا اولاد نہ ہونے کی صورت میں دوسرے مرد سے ازدواجی تعلقات قائم کر سکتی ہے اور اس کے ذریعے اسے دس بچے تک پیدا کرنے کی اجازت ہے، نیوگ کے نام پر ہندو معاشرے میں جاری وسازی یہ رسم گندگی کی اعلیٰ ترین مثال ہے جو ہندو دھرم کے علاوہ کسی اور دھرم میں نہیں مل سکتی۔

اس کے برخلاف اسلام میں نکاح کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے ازدواجی

تعلقات قائم کرنا ناجائز اور گناہ ہے اسلام نے اسے زنا اور بدکاری قرار دے کر اسے قریب جانے سے بھی انتہائی سختی سے منع فرمایا ہے چہ جائیکہ اس عمل بد کا ارتکاب اور اس کے ذریعے بچے پیدا کیے جائیں۔

(۱۱) مادہ کا تصور

جدید ہندومت کے مطابق مادہ اور روح ازلی و ابدی ہیں اور ان دونوں کو ”خالق“ کا درجہ حاصل ہے اس اعتبار سے خدا بھی ان کا محتاج ہو جب کہ اسلام نے اس عقیدے کو باطل قرار دیا ہے، اور ہر چیز کا ذات خداوندی کے سامنے محتاج ہونا اور ذات خداوندی کا بے نیاز ہونا ثابت کیا ہے اور ہر چیز کی خالقیت کا اثبات صرف ذات خداوندی کے لئے ہونا بجا قرآن کریم میں مذکور ہے اس لئے اسلام میں اس عقیدہ باطل کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۱۲) گائے

ہندو مذہب میں گائے کو ایک مقدس جانور سمجھا جاتا ہے اس کی پرستش کی جاتی ہے اور اسے ذبح کرنا ایک جرم عظیم شمار ہوتا ہے اسے چومنا چائنا، اس کے بول و براز کو مقدس سمجھنا اور اس کے آگے سر تسلیم خم کرنا، بہترین اور اعلیٰ درجے کی عبادت ہے۔ جبکہ اسلام میں گائے کو ایک حلال جانور کی حیثیت دی گئی ہے جسے کھانا اور اس سے نفع حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے جائز ہے قربانی کے سلسلے میں اسے بارہ گاہ خداوندی میں پیش کرنے کا ثواب ہے اور اس کا گوشت اور دودھ قابل انتفاع قرار دیا گیا ہے۔

(۱۳) انسان کی قربانی

ہندو ازم میں اپنے معبودوں کے لئے انسان کو قربان کرنا جائز ہے بلکہ بعض بت تو ایسے ہیں کہ جن کے سامنے صرف انسانوں ہی کو قربان کیا جاسکتا ہے اور انسانوں کی قربانی کی یہ رسم بہت پہلے سے چلی آ رہی ہے چنانچہ دور فاروقی میں مصر کے گورنر و فاتح نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے ایک عربیے میں اہل مصر کی یہ عجیب ریت لکھ کر

بھیجی کہ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا ہے تو اہل مصر ایک نوجوان لڑکی کو خوب بناؤ سنگھار کر کے اس دریا کی نذر کر دیتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس سے دریا کا پانی جاری اور زائد ہو جاتا ہے۔ گویا یہ انسانی قربانی اس وقت بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود تھی اور آج بھی ہندوؤں نے اسے اپنا رکھا ہے جبکہ اسلام میں انسانی قربانی کسی بھی مرحلے میں جائز نہیں ہے۔ صرف چند مخصوص جانوروں کی قربانی اور ان سے اشعار جائز قرار دیا گیا ہے جو کہ یقیناً عقل سلیم رکھنے والے اشخاص کی نظر میں ایک بہترین فیصلہ ہے۔

(۱۴) وراثت

ہندو مذہب میں عورت کو اس کے حق وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے، لڑکی اپنے باپ کی جائیداد کی وارث نہیں بن سکتی، کوئی بیوہ عورت اپنی جائیداد فروخت کرنے کا حق نہیں رکھتی، کسی بیوہ عورت کو ”نکاح ثانی“ کرنے کی اجازت نہیں البتہ نیوگ کی کھلم کھلا اجازت ہے اسی طرح عورت اپنے شوہر کے مال کی بھی وارث نہیں بن سکتی۔

جبکہ اسلامی تعلیمات اتنی صاف ستھری، روشن اور اجلی ہیں کہ ان میں عورت کے لئے وراثت کا حصہ بھی مقرر کیا گیا ہے اور اسے اپنے شوہر کی میراث میں سے بھی حصہ ملے گا، لڑکی اپنے باپ کی جائیداد کی وارث بھی ہوتی ہے اور بیوہ ہونے کی صورت میں اپنی جائیداد فروخت کرنے کا حق بھی محفوظ رکھتی ہے، طلاق یا بیوگی کی صورت میں نکاح ثانی کی نہ صرف اجازت بلکہ ترغیب دی گئی ہے۔

اسی طرح اسلام نے عورت کو یہ حق بھی دیا ہے، کہ اگر وہ کسی خاص وجہ سے اپنے شوہر سے طلاق لے لیتی ہو تو ضوابط کے تحت اس کی بھی اجازت ہے اور عورت کے اس حق و شریعت اسلامیہ میں حق ضلع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

لمحہ فکر یہ

اسلامی تعلیمات اور ہندو ازم کے بنیادی عقائد میں آپ نے تھل ملاحظہ فرمایا اور آپ نے خود اس بات کو محسوس کیا ہوگا کہ یقیناً ہندو ازم اسلام کے مقابلے میں اپنے

اندر کوئی جاذبیت اور کشش نہیں رکھتا، اس کے باوجود قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ ہندو معاشرے کے ساتھ ایک طویل عرصہ گزارنے اور موجودہ میڈیا کی طوفانی بیخار نے مسلمانوں کے دل اور دماغ پر اس بری طرح حملہ کیا ہے کہ آج کل مسلمان بھی اپنے باپ کے مرنے کے بعد بہنوں کو وراثت کا حصہ نہیں دیتے اور یہ کہہ کر اپنی جان چھڑا لیتے ہیں کہ تمہیں اتنا چیز نہیں دیدیا تھا؟ اور بعض تو اس سلسلے میں اتنی بے اعتدالی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ اپنی بہنوں سے دو لوگ الفاظ میں کہہ دیتے ہیں کہ بھائی چاہتی ہو یا مال و دولت؟ اب بے چاری بہن مجبور ہو کر اپنے حق سے دستبردار ہو جاتی ہے۔

بعض لوگ لڑکی کو دوسری شادی نہیں کرنے دیتے اور اسے معیوب سمجھا جاتا ہے اسی طرح حق مہر کے سلسلے میں عورت پر بہت ظلم کیا جاتا ہے چنانچہ اکثر لوگ تو حق مہر دیتے ہی نہیں اور جو دیتے ہیں ان کے نزدیک شرعی حق مہر ۳۲ روپے ہے یا درکھیں! اسلام میں ۳۲ روپے شرعی مہر ہونے کا کوئی تصور نہیں، مہر کی مقدار لڑکے کی مالی حیثیت و وسعت کے مطابق ہونی چاہیے اور اس کی ادائیگی کو اپنے اوپر فرض کی طرح لازم سمجھنا چاہیے، یہ ایک المیہ اور لمحہ فکر یہ ہے کہ اسلام کی صاف ستھری اور الہامی تعلیمات میں ہندو اندر رسومات کی شجرکاری کی جارہی ہے اور مسلمان اسے آنکھیں بند کیے اپنے دین و ایمان کا جزو اور حرز جان بنانے کے لئے مکمل طور پر تیار ہے اسے اس بات کا احساس ہی نہیں کہ ایمان کے چشمہ و صافی کو گندگی کے ان ڈھیروں سے کس طرح مٹوت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس کا دامن ایمان کن کن راستوں سے تار تار کیا جا رہا ہے۔

اے کاش! ہم میں ایمانی غیرت، ملی جذبے اور شعور آگاہی کی ایک ایسی لہر بیدار ہو جو تمام ادیانِ باطلہ سے ہمارا پیچھا چھڑا دے اور ہمارے قدم راہِ مستقیم پر گامزن کرنے میں معاون ثابت ہو سکے۔ آمین

سوال: قرآن کریم کے مطابق ہر قوم میں کوئی نہ کوئی نبی اور پیغمبر ضرور آیا ہے تو کیا ہندوستان میں بھی کسی نبی کی آمد کا ثبوت ملتا ہے؟ اس سوال کی ضرورت اس لئے پیش آئی

کہ آج کل ہندو اپنے آپ کو اہل کتاب قرار دے کر مسلمانوں کو شکوک و شبہات کی اندھیر نگری میں دھکیل رہے ہیں۔

جواب: ہندو مذہب سوائے اس کے کہ تین ہزار سال پرانا ایک قدیم مذہب ہے اپنے اندر کوئی خوبی اور کشش نہیں رکھتا خود ہندو اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ان کا دین آسمانی نہیں، ان کی کتابیں آسمانی نہیں، اور ان کتابوں کے مصنفین کو وہ ”رشی“ کے نام سے جانتے ہیں۔

انہیں رسول یا نبی ہرگز قرار نہیں دیتے، اس کے ساتھ ساتھ اہل کتاب ہونے کی نشانی یہ ہے کہ وہ تین عقائد کا حامل ہو۔ (۱) عقیدہ توحید (۲) عقیدہ رسالت (۳) عقیدہ آخرت جبکہ ہندو مذہب میں اس کا کوئی تصور نہیں اس لئے انہیں اہل کتاب قرار دینا کسی بھی طرح صحیح نہیں۔

سوال: اسلام نے عورت کو اگرچہ حقوق دیئے ہیں لیکن مساوات تو ان میں بھی نہیں چنانچہ وراثت میں اس کا حصہ مرد سے آدھا ہے اور گواہی میں مرد کی گئی دو عورتوں کے ذریعے پوری کی جاتی ہے تو مساوات کہاں رہی؟

جواب: اگر مساوات کا معنی یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے حقوق بالکل برابر ہوں تو اس کی مثال پوری دنیا کے کسی خطے پر بھی نہیں مل سکتی جہاں کوشش کی گئی وہاں سخت ناکامی کا سامنا ہوا، اس لئے مساوات کا یہ معنی مراد نہیں ہو سکتا بلکہ اسلام میں مساوات سے مراد یہ ہے کہ جس کا جو حق بنتا ہے اسے وہ دے دیا جائے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔

باب دوم

﴿بدھ مذہب﴾

بانی مذہب کی تصویر کشی، تعلیمات اور حقوق و فرائض،
مذہبی ورثہ اور مقدس کتابیں، عقائد و نظریات
اور اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب دوم

﴿بدھ مذہب﴾

گوتھ بدھ کے حالاتِ زندگی

ہندوستان میں آج سے ۲۶۰۰ سال قبل سلطنتِ مگدھ کا بول بالا تھا اور یہ سلطنت موجودہ جنوبی بہار سے لے کر گنگا کے جنوب میں ندی شومائیک پھیلی ہوئی تھی، اس کا دارالحکومت ’راج گرہہ‘ تھ شمال میں ’پھومی اور شمال مغرب میں کوشلوں اور جنوب میں کاشیوں کی حکومتیں قائم تھیں۔ کوشل راج کی مشرقی جانب روہنی ندی کے دونوں کناروں پر آئے سامنے دو خود مختار قومیں آباد تھیں (۱) شاکیہ (۲) کولی

اس زمانے میں بہار راج شدھو دھمن شاکیوں پر حکمران تھا جس نے کولی مہاراج کی دو لڑکیوں سے شادی کر لی تھی، اس طرح ان دونوں کے درمیان باہمی تعلق مزید مضبوط ہو گیا۔ ایک مدت گزرنے کے بعد دونوں لڑکیوں میں سے بڑی لڑکی حاملہ ہو گئی اور اسے اس وقت کے رواج کے مطابق زچگی سے چند دن قبل اس کے باپ کے گھر بھیج دیا گیا لیکن وہ ابھی راستے میں ہی تھی کہ اس کی تکلیف کی شدت میں اضافہ ہو گیا اور اس نے ایک جنگل میں پناہ لی وہیں اس کے یہاں ایک بچے نے جنم لیا جسے لے کر وہ اپنے باپ کے گھر پہنچی لیکن اتنی ہی بات ہے کہ بچے کی پیدائش کے ساتویں دن ہی وہ مر گئی اور اس کے بعد اس کی چھوٹی بہن نے اسے پالا پوسا، یہی وہ بچہ ہے جسے آج دنیا ”گوتھ بدھ“ کے نام سے پکارتی ہے۔

گوتھ بدھ کی پیدائش ۵۶۸ ق م میں شمالی ہند کے علاقے نیپال میں ہونا بھی بعض محدثین نے ذکر کیا ہے اس کی والدہ کا نام ”مایا“ تھا بچپن میں والدین نے اس کا نام ”سدھارتھ“ رکھا تھا تاہم اس کا خاندانی نام ”گوتھر“ تھا اور محنت و ریاضت سے میاں

(فضیلت کا مرتبہ) حاصل کرنے کے بعد اسے ”بدھ“ کے نام سے شہرت ملی اور ان دونوں ناموں کو ملا کر ”گوتم بدھ“ کہا جاتا ہے اس کی ابتدائی نشوونما اور پرورش کے حوالے سے تواریخ میں یہ بات متی ہے کہ چونکہ اس کے والد ”مہاراج“ درحکمران تھے اس لئے اس کی پرورش شاہانہ طریقے پر ہوئی، بعد میں اس نے اپنی زندگی کی روش کو تبدیل کر لیا تھا۔

گوتم بدھ اور انسانی زندگی کے تین مرحلے

مختلف تاریخی حوالہ جات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ گوتم بدھ اپنے خادم کے ساتھ گھر سے باہر نکلا، اس وقت وہ انیس سال کے پینے میں تھا، راستے میں ایک بوڑھا شخص نظر آیا جو اپنے چہرے سے ہی انتہائی غریب، مسکین، اور کمزور نظر آ رہا تھا، اس کے لئے چلنا پھرنا بھی دشوار تھا۔ کچھ دور اور چل کر اسے ایک اور بوڑھا کمزور اور بیمار شخص دکھائی دیا جو بیماری کی وجہ سے اتنا لاغر ہو چکا تھا کہ اس کے لئے چند قدم اٹھانا بھی دو بھر ہو رہے تھے اور وہ لڑکھڑاتے قدموں سے چل رہا تھا۔

کچھ دور اور چلنے کے بعد اسے ایک جنازہ دکھائی دیا جسے لوگ قبرستان کی طرف لے جا رہے تھے، اسی اثنا میں اس کی نظر ایک درویش پر پڑی جس کے چہرے پر نور چمک رہا تھا اور اسے دیکھتے ہی قناعت کا تصور ابھرتا تھا۔

گوتم بدھ جب گھر واپس پہنچا تو اس کا دل طرح طرح کے انکار و خیالات میں گھرا ہوا تھا، اس کے سامنے اوپر سے انسانی زندگی کے تین مرحلے آئے، (۱) بوڑھا پا (۲) بیماری (۳) موت اس کے دل میں خیاں آیا کہ آخر کار وہ بھی ایک دن بوڑھا ہوگا، بیمار پڑے گا اور پھر اس پر بھی موت آجائے گی پھر یکا یک اسے وہ نورانی چہرے والا درویش یاد آیا جس کے چہرے سے سکون اور اطمینان ٹپک رہا تھا۔

گوتم بدھ ان تمام امور پر غور و فکر کرتا رہا اور دنیا کی محبت سے اس کا دل اچھاٹ ہو گیا اور وہ یہ سوچنے لگا کہ وہ بھی اس بزرگ کی طرح دنیا اور اس کی تمام آسائشوں کو ترک کر کے یاد خداوندی میں مصروف ہو جائے تاکہ اسے بھی سکون و اطمینان کی یہ دولت حاصل ہو جائے لیکن اس کے لئے اس نے جو طریقہ اختیار کیا بد قسمتی سے اسے وحی الہی کی

تائید حاصل نہ تھی اس لئے وہ گمراہ ہو گیا جیسا کہ عنقریب تفصیل سے آتا ہے۔

فائدہ:

تاریخی حوالہ جات کے تذکرے سے یہ واقعہ گوتم بدھ کی عمر کے انیسویں سال میں پیش آنا معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخی حیثیت سے اس کا ثبوت مشکوک ہی نہیں بلکہ نادرست بھی ہے کیونکہ اتنی بات تو مسلم ہے کہ گوتم بدھ کی شادی سولہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں ہوئی ہے اور ”مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا“ کا مصنف یوس مور لکھتا ہے کہ شادی کے بعد دس سال تک گوتم بدھ اپنی بیوی کے ساتھ دنیوی آرام و راحت سے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہوتا رہا۔ اس اعتبار سے اس کے دنیاوی تعلقات اور آسائشوں کو ترک کر کے راہبانہ زندگی اختیار کرنے کی عمر کم از کم ۲۶ یا ۲۸ سال بنتی ہے۔

راہبانہ زندگی کا نقطہ آغاز

گوتم بدھ کی شادی نیشودھرائانی راج کماری سے ہوئی تھی، اس سے اس کے یہاں ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تھا جس کا نام ”راہوال“ رکھا گیا۔ جس وقت گوتم کے یہاں بیٹا پیدا ہوا اس وقت وہ ایک ندی کے کنارے بیٹھا اپنے خیالات میں گم تھا، واپس ہوا تو اس پر پھولوں اور مبارک بادوں کی بارش شروع ہو گئی لیکن گوتم کچھ اور ہی سوچ رہا تھا، وہ اپنی زندگی کو ان تمام تکلفات سے آزاد کرنا چاہتا تھا اور اس کے لئے وہ اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار بھی کر چکا تھا چنانچہ ایک مرتبہ رات کے وقت وہ اپنی بیوی کے کمرہ میں داخل ہوا، کمرہ خوشبودار چرائیوں سے جھلکا رہا تھا اور اس کی بیوی چاروں طرف سے پھولوں میں گھری ہوئی سکون کی عیند سوری تھی، گوتم بدھ کے دل میں یہ جذبہ بیدار ہوا کہ ایک مرتبہ اپنے بچے کو گود میں اٹھا کر اسے پیار کر لے لیکن وہ یہ سوچ کر رک گیا کہ کہیں بچے کی ماں کی آنکھ نہ کھل جائے اور اس کی گذارشات اس کے دل کو ہلا کر اس کے مقصد میں رکاوٹ نہ بن جائیں یہی سوچ کر کچھ دیر وہ اپنی بیوی اور بچے کو چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا پھر ان پر انودامی نگاہ ڈال کر گھر سے نکل گیا اور راج گروھی کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ شہر اس وقت بڑی بڑی گھاٹیوں کے درمیان پانچ پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا اور یہاں بہت سے درویش رہا کرتے تھے۔ گوتم بدھ ان میں سے ”الار“ نامی درویش کے پاس رہا پھر اور ک نامی درویش سے ہندو ورثن ستر سیکھا لیکن اسے قلبی سکون و اطمینان کی دولت حاصل نہ ہو سکی۔ اس کے بعد اس نے نفس کشی کے چلے شروع کر دیے اور ”ازویل“ کے جنگلات میں اپنے پانچ شاگردوں کے ساتھ چھ سال تک مختلف قسم کی ریاضتیں اور عبادات کرتا رہا اور سوکھ کر کاٹا ہو گیا تاہم منزل مقصود پھر بھی نہ حاصل کر سکا۔

ایک دن گوتم بدھ بہت زیادہ کمزوری کی وجہ سے گر پڑا، اس کے شاگرد سمجھے کہ وہ مر گیا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد اسے ہوش آ گیا اور وہ یہ سوچنے لگا کہ ان تمام ریاضتوں اور بھوک پیاس کو برداشت کرنے کا کیا فائدہ؟ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ انسان کچھ کھائے پیئے تو سبھی اچھا نچہ گوتم بدھ نے یہ سوچ کر کھانا پینا شروع کر دیا۔ مختلف قسم کی آزمائشوں اور عبادتوں کے بعد گوتم بدھ کے پیروکاروں کے مطابق بالآخر اسے ایک دن ویدار خداوندی نصیب ہو گیا اور یوں اسے قلبی اطمینان حاصل ہو گیا۔

یہ کیفیت حاصل کرنے کے بعد گوتم بدھ راج گرھی کی طرف واپس ہوا اور لوگوں میں اپنے نظریات و افکار کی اشاعت شروع کر دی اس کے بعد وہ کچھ عرصہ کے لئے ”ہرن بن“ میں بھی رہا جہاں اس کے مریدین اور پیروکاروں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ یہی اس مذہب کا نقطہ عروج تھا۔ تاہم بدھ مذہب کے راہب، جنہیں ”بھکشو“ کہا جاتا ہے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ”بدھ“ مذہب نہیں بلکہ ایک فلسفہء زندگی ہے ظاہر ہے کہ مذہب اور فلسفہء زندگی میں بہت فرق ہوتا ہے۔

سرلیوں مور لکھتا ہے کہ جب گوتم کی شہرت اس کے آبائی علاقے تک پہنچی تو اس کے ضعیف باپ نے اسے ایک بار دیکھنے کی خواہش ظاہر کی (چنانچہ گوتم وہاں سے روانہ ہوا اور) اس نگر کے باہر ایک کنج میں ٹھہر گیا، اس کا باپ اور رشتے دار اس سے ملنے وہاں گئے اور دوسرے دن گوتم شہر میں آیا۔

جب یثودھرانے اپنے خوبصورت راج کمار اور سرتاج کو سر منڈائے، زرد کپڑے پہنے ہوئے سنیاہی کے روپ میں آتے ہوئے دیکھا تو اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی اور غش کھا کر

زمین پر گر پڑی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ یہ سوچنے لگی کہ اب وہ اس کا شوہر اور راجہ کا نہیں ہے، اور ان دونوں کے درمیان بہت فاصلے پیدا ہو گئے ہیں تاہم اس نے بدھ کے نئے افکار کو سنا، گوتم کے افکار یثودھرا کے دل میں اتر گئے اور اس نے گوتم سے ”فرقہ انات“ (بھکشویوں کی جماعت) قائم کرنے کی درخواست کی چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ”یثودھرا“ اس کی سب سے پہلی بھکشنی ہوئی، بدھ مذہب میں ایسی گوشہ نشین عورتوں کو ”بیراگن“ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا راہوال بھی اس کے مریدوں میں داخل ہو گیا۔

گوتم بدھ اکیس سال تک اپنے مذہب کی تبلیغ میں سرگرمی کے ساتھ کام کرتا رہا، جب اس کی مذہبی عمر ۴۳ سال کی ہوئی تو وہ ”گرگس“ سے قلعے میں آیا اور ۳۵ ویں سال ”بیلوگھینگ“ وارد ہوا لیکن یہاں پہنچ کر وہ سخت بیمار ہو گیا اور اس کی حالت بگڑنا شروع ہو گئی۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر اس نے اپنی تجزیہ و فیضان وغیرہ کے متعلق کچھ نصیحتیں کیں اور کچھ دیر خاموش رہا پھر اس کے منہ سے یہ جملہ نکلا اے درویشو! یاد رکھو کہ دنیا کی کل اشیاء پر فنا آنے والی ہے اس لئے تمہیں چاہیے کہ اپنے جذبات پر فتح پا کر حقیقی نجات حاصل کرو اور اس کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

انتقال کے وقت گوتم بدھ کی عمر ۸۰ سال تھی اور اس نے ۴۸۸ ق م میں ”کنی تارا“ کے مقام پر انتقال کیا جبکہ سریوس مور کے بیان کے مطابق گوتم بدھ کی عمر ۸۲ سال ہوئی تھی۔

﴿بدھ مذہب کی تعلیمات﴾

گوتم بدھ نے اپنے مریدوں اور پیروکاروں کے لئے جو اصول و ضوابط بتائے تھے، انہیں چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

حصہ اول: چار سرگرم مراقبے

مراقبہ کا معنی ہے ”گردن کو جھکا کر اپنے آپ کو کسی طرف متوجہ کرنا“ اور یہ اس مذہب کی اہم بنیاد ہے، ان چاروں کی تفصیل یہ ہے۔

- (۱) جسمانی کثافت پر مراقبہ۔
- (۲) پرجوش حس کی پیدا کی ہوئی برائیوں پر مراقبہ۔
- (۳) خیالات کے عدم استقلال پر مراقبہ۔
- (۴) ہستی کے خیالات پر مراقبہ۔

جسمانی کثافت

اصل میں کثافت کا معنی ہے جو بھل ہونا، بھاری پن، بدھندہب کہتا ہے کہ اپنے جسم کو گھنا ہوں کے بوجھ سے آزاد کرنے اور اسے لطیف بنانے کے لئے مراقبہ کیا جائے تاکہ جسمانی کثافت سے چھٹکارا مل جائے، لطافت جسمانی کا یہ تصور اسلام میں بھی ملا ہے اور اس کے حصول کا طریقہ بھی اسلام میں موجود ہے مثلاً ”زکوٰۃ الجسد الصوم“ لیکن فرق یہ ہے کہ گوتم بدھ کی اس تعلیم کے ساتھ وحی الہی کا پیوند نہیں لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے اسے وہ درجہ برگز حاصل نہیں جو اسلامی تعلیمات کو ہے۔

اسی طرح پرجوش حس کی برائی پر مراقبہ کی اصطلاح اسلام میں ”ضبط نفس“ کے نام سے معروف و مشہور ہے اور خیالات کے عدم استقلال پر کیا جانے والا مراقبہ اسلام میں اصطلاح صوفیاء کے مطابق ”ارکناز“ کے نام سے موجود ہے اور ہستی کے وجود پر مراقبہ کی اصطلاح اسلام میں ”اتخلاؤ قلبی“ کے نام سے اپنی شناخت رکھتی ہے۔

حصہ ثانی: چار بلوغ کوششیں

- (۱) برائی کی پیدائش روکنے کی کوشش۔
- (۲) موجودہ برائیوں کو دور کرنے کی کوشش۔
- (۳) غیر موجود نیکی کو پیدا کرنے کی کوشش۔
- (۴) موجودہ نیکیوں میں ترقی کی کوشش۔

اسلام نے بھی ان چاروں کوششوں کا جواز بلکہ انتہائی اعلیٰ درجہ ثابت کیا ہے اور ان چاروں کا ثبوت ہمیں قرآن کریم سے بھی ملا ہے چنانچہ پہلی کوشش کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾ (الاعلیٰ: ۱۴)

دوسری کوشش کے متعلق ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوَلَّوْا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾

(التحریم: ۸)

تیسری کوشش کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات: ۵۶)

اور چوتھی کوشش کے متعلق فرمانِ قرآنی ہے:

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ (المائدہ: ۴۸)

حصہ سوم: دینداری کے چار راستے

(۱) دیندار بننے کی خواہش۔

(۲) دیندار بننے کے لئے دل کی ضروری تیاری۔

(۳) دیندار بننے کے لئے ضروری جدوجہد۔

(۴) دیندار بننے کے لئے تحقیقات۔

یہ چاروں راستے بھی اسلام کے خلاف نہیں تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ دینداری

وہی چیز ہے، کسی نہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اگر وہ چاہیں تو بغیر کوشش کے

ہی دیندار بنا دیں البتہ اپنی ہی محنت تو انسان کو کرنی چاہئے اسی طرح دیندار بننے کے لئے

تحقیقات کرنے کا حکم بھی ہمیں قرآن کریم میں ملتا ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبْلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَإِلَى السَّمَاءِ

كَيْفَ رُفِعَتْ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَإِلَى الْأَرْضِ

كَيْفَ سُطِّعَتْ﴾ (الفصیحہ: ۲۰ تا ۲۷)

حصہ چہارم: پانچ اخلاقی طاقتیں

(۱) ایمان (یقین)

(۲) اہمیت

(۳) حافظہ

(۴) الہام

(۵) تصور (دل میں کسی چیز کا خیال آنا)

ان پانچ اخلاقی طاقتوں میں سے ”الہام“ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ گوتم بدھ خدا کو ماننا تھا کیونکہ جو چیز خود بخود دل میں آئے اسے ”وجدان“ کہتے ہیں اور جو کسی کی طرف سے دل میں ڈالی جائے اسے ”الہام“ کہتے ہیں اور سرلیوس مور کے مطابق گو کہ بدھ مت کا خدا پرست ہے لیکن گوتم بدھ کے نظریات میں خدا کی تخلیق کا کہیں اشارہ تک نہیں ملتا۔

حصہ پنجم: سات دانشیں (عقل مندی کی باتیں)

(۱) طاقت

(۲) نشاط

(۳) حافظہ

(۴) استراحت

(۵) تحقیقات (کتاب مقدس)

(۶) سلامت طبع

(۷) تفکر

اسلام نے بھی ان سات چیزوں کی کسی موقع پر نفی نہیں کی اور نہ ہی یہ چیزیں خلاف اسلام ہیں۔

حصہ ششم: آٹھ اعلیٰ طریقے اور اطوار

(۲) صدق ارادت

(۱) صدق عقیدت

(۴) راست بازی

(۳) راست گوئی

(۵) رزقِ حلال عزمِ مصمم

(۷) چچی تو بہ (۸) سچی تصور

یہ آٹھ چیزیں بھی اسلام کے خلاف نہیں بلکہ اسلام نے ان کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کی ہے۔ بدھ مت میں جس شخص کو یہ چیزیں حاصل ہو جائیں اسے ”بزرذان“ یعنی قلبی سکون کی دولت مل جاتی ہے۔

مولانا مظہر الدین صدیقی اپنی کتاب اسلام اور مذاہبِ عالم ص ۳۶ اور ۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ”بزرذان“ کس حالت کا نام ہے؟ اس پر بدھ مت کے علماء میں اتفاق رائے نہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بکرمایا پیدا کرنے کے لامتناہی سلسلے کا اختتام ہے، یہ ایک انسان کی پرسکون راحت ہے جس کو دوبارہ جنم لینا پڑے گا، جس کی خواہشات بالکل فناء ہو چکی ہوں گی اور جس کی خودی یکسر مٹ گئی ہوگی، بعض لوگوں کے خیال میں یہ ہماری موجودہ زندگی کی ایک حالت ہے جب کہ ہمارا اخلاقی ارتقاء اس درجے پر پہنچ جائے کہ ہمارے اندر کوئی جذبہ اور خواہش باقی نہ ہو۔

”بزرذان“ حاصل کرنے کا طریقہ

گوتم بدھ نے ”بزرذان“ کی کیفیت حاصل کرنے کا ایک مخصوص طریقہ بیان کیا ہے اور اس نے تن پروری اور تعذیب نفس کے درمیان ”اعتدال“ کی راہ تلاش کرنے کی کوشش کی جسے اس نے چار اصولوں سے نکالا۔

(۱) تکلیف

(۲) اسبابِ تکلیف

(۳) انسدادِ تکلیف

(۴) طریقہء انسدادِ تکلیف

گوتم بدھ کے نزدیک اس راستے پر چلنے سے تمام تکالیف کا خاتمہ ہو جاتا ہے، یاد رہے کہ بدھ مذہب میں اس راستے کو طے کرنے کے لئے چار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مرحلہ نمبر ۱:

جس شخص کو یہ چاروں اصول معلوم ہو جائیں (اور وہ انہیں تسلیم کر لے) تو وہ گوتم بدھ کا پیروکار بن جاتا ہے، رہتی یہ بات کہ ایک عام انسان کو یہ اصول کیسے معلوم ہوں گے تو گوتم بدھ کے مطابق اس کے چار ذریعے ہیں۔

- (۱) نیکیوں کی محبت
- (۲) محققانہ غور و خوض
- (۳) مذہبی قوانین کا سامع
- (۴) نیکی کی مشق

مرحلہ نمبر ۲

جو شخص اپنے نفس امارہ اور غلط قسم کی دینی رسومات سے نجات حاصل کر لیتا ہے، اس مرحلے میں آکر اس کے شہوانی جذبات اور مغالطے کافی حد تک دور ہو جاتے ہیں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ گوتم بدھ ہندوانہ رسم و رواج کا مخالف تھا اس لئے وہ اس کے برخلاف ایک تصور پیش کرنا چاہتا تھا اسی لئے نفس امارہ سے چھٹکارا حاصل کرنا بدھ مت میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

یہاں ”نفس امارہ“ کی وضاحت سے قبل ”نفس“ کی تعریف سمجھنا ضروری ہے چنانچہ امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں نفس کی تعریف یہ لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں خیر اور شر چاہنے کی جو طاقت رکھی ہے اسے ”نفس“ کہتے ہیں، اس کی تمین قسمیں ہیں:

- (۱) نفس امارہ (سرسش نفس) اسے برائی میں مزہ آتا ہے۔
 - (۲) نفس نواہ (ملا مت کرنے والا نفس) یہ برائی پر انسان کو ملا مت کرتا ہے۔
 - (۳) نفس مطمئنہ (اطمینان والا نفس) اسے نیکی کرنے میں مزہ آتا ہے۔
- اور نفس کی ان تینوں قسموں کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ملتا ہے۔

مرحلہ نمبر ۳:

گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق اس مرحلے میں آکر انسانی دل سے دنیاوی خواہشات کی میل کچیل، نفس پرستی، حسد اور بغض کافی حد تک دور ہو جاتا ہے اور انسان شیطان کے تسلط سے آزادی حاصل کر لیتا ہے۔

مرحلہ نمبر ۴:

گوتم بدھ کے مطابق اس مرحلے میں آکر انسان کو گیان (معرفت) کی دولت حاصل ہو جاتی ہے، اسے اطمینان قلب ملتا ہے اور وہ دنیا کی چیزوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے اسی کو ”نِزَوان“ کہا جاتا ہے۔

گوتم بدھ کے پیروکار

گوتم بدھ کے پیروکاروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک گروہ ”درویشوں کا گروہ“ کہلاتا ہے اور دوسرا ”دنیا داروں کا گروہ“ کہلاتا ہے۔

لفظ درویش کی وضاحت

اس لفظ کو دال کے فتح کے ساتھ ”ذرویش“ بھی پڑھا گیا ہے اور دال کے ضمہ کے ساتھ ”ذُرویش“ بھی، پہلی صورت میں ”ذُر“ کا معنی ہے دروازہ اور ”ویش“ کا معنی ہے پھرنے والا، فقیر تو ”ذرویش“ کا معنی ہوا اور پھرنے والا فقیر، اور اگر دوسری صورت ہو جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے تو پھر ”ذُر“ کا معنی ہوگا سوئی اور ”ویش“ کا معنی چھنے والا تو مطلب ہوا ”موٹی چھنے والا“

بدھ مذہب کے درویشوں میں شامل ہونے کی شرائط

کسی بھی شخص کے لئے بدھ مذہب کے درویشوں میں شامل ہونے کے لئے درج ذیل شرائط پر پورا اترنا ضروری ہے۔

- (۱) وہ شخص کسی متعدی (دوسروں کو لگ جانے والی) بیماری میں مبتلا نہ ہو۔
- (۲) کسی غلام اور مقروض نہ ہو۔
- (۳) والدین کی رضا مندی کا ہونا بھی ضروری ہے۔
- (۴) سر منڈوا کر، نارنجی کپڑے پہن کر گوشہ نشینی اختیار کرنا۔
- (۵) شراب نوشی قطعی طور پر ممنوع سمجھنا۔
- (۶) کھانا حاصل کرنے کے لئے لوگوں کے دروازے پر جانا اور در بدر پھر کر رزق جمع کرنا۔ اس کا طریقہ بدھ مذہب کے مطابق یہ ہے کہ درویش گھر کے دروازے پر جا کر کھڑا ہو جائے، اگر وہ کچھ دے دیں تو لے لے ورنہ آگے چلا جائے اور جب اتنی مقدار جمع ہو جائے جو کھانے کے لئے کافی ہو تو واپس اپنی رہائش گاہ کی طرف لوٹ جائے۔
- (۷) صبح ہونے سے پہلے اپنی ”خانقاہ“ میں بھاڑو دینا اور اس کے بعد تزکیہ نفس کے لئے ایک کونے میں بیٹھ کر ذکر خداوندی میں مشغول ہو جانا۔
- (۸) درویش کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خانقاہوں میں رہے اور بالکل سادہ زندگی بسر کریں۔
- (۹) اس کی عمر پندرہ سال سے کم نہ ہو۔
- (۱۰) وہ نامرد نہ ہو۔
- (۱۱) حکومتی اہک یا مشفقہ فوجی اور سپاہی نہ ہو۔
- (۱۲) مجرم یا سزا یافتہ چور نہ ہو۔

درویشوں کی ذمہ داریاں

بدھ مذہب میں درویشوں کی تین ذمہ داریاں بیان کی جاتی ہیں۔

- (۱) نعم حاصل کرنا۔
- (۲) وہ دنیا دار جو درویش تو نہیں بن سکے لیکن دین دار بننا چاہتے ہیں انہیں تعلیم دینا۔

(۳) نجات حاصل کرنے کے لئے محنت کرنا۔

درویشوں کے دن رات کے معمولات

بدھ مذہب میں درویشوں کے شب و روز کے معمولات حسب ذیل ہیں۔
صبح صادق کے وقت بیدار ہوتے، خانقاہ کو صاف کرتے، پھر ذکر خداوندی میں مشغول ہو جاتے، اس کے بعد ایک جھولی نمائیکڑا لے کر اپنے امیر کے ہمراہ بھگیا مانگنے کے لئے چلے جاتے۔ پھر سارے درویش اپنی جھولی میں جمع شدہ سارا سامان ناکر ایک جگہ رکھ دیتے۔ اس کے بعد پڑھنا لکھنا شروع کر دیتے اور اپنے استاد سے گیان (معرفت) کی باتیں پوچھتے، سورج غروب ہونے کے بعد خانقاہ کی صفائی کرتے، چراغ جلاتے اور اپنے امیر کے ساتھ مل کر انسانوں کے دل کو پاک کرنے اور دین پھیلانے کی تقین کرتے۔

دنیا داروں کے فرائض

بدھ مذہب کے پیروکار دنیا داروں کے ذمے تین کام ہیں جنہیں وہ باقاعدگی سے پورا کرتے ہیں۔

- (۱) درویشوں سے عم سیکھنا۔
- (۲) گھریلو فرائض سرانجام دینا۔
- (۳) درویشوں کے کھانے پینے کا بندوبست کرنا۔

بدھ مت کی مذہبی کتابیں

بدھ مت کے راہنماؤں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گوتم بدھ نے کوئی تحریر شدہ کتاب نہیں چھوڑی، اور ان کا یہ اعتقاد ہے کہ گوتم بدھ کے شاگردوں نے اپنے استاد کے ملفوظات اور تقاریر کو سن کر زبانی یاد کیا اور پھر انہیں آگے دوسروں تک منتقل کر دیا اور اس کے نئے انہوں نے "الفاظ" کی جگہ بندی کے بجائے اس کے مفہوم پر زیادہ توجہ دی اور اسی کو آگے پہنچا دیا۔

گوتم بدھ کی وفات کے کئی صدیوں بعد اس مذہب کی کتابوں کو مرتب کیا گیا اس لیے بدھ مت کی موجودہ کتابوں میں گوتم بدھ ہی کے الفاظ ہونا یقینی نہیں اور اس کی ایک دوسری مضبوط دلیل یہ بھی ہے کہ بدھ مت کے موجودہ فرقوں اور مذہبی کتابوں میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں گوتم بدھ کے اپنے الفاظ موجود نہیں۔

اس وقت پوری دنیا میں بدھ مذہب کا سب سے بڑا فرقہ ”ہنائائیاہنا“ ہے جس کا اپنا دعویٰ ہے کہ ہم نے گوتم بدھ کی وفات کے ۲۵۰ سال بعد ”پالی“ زبان میں گوتم بدھ کے عہد اور اصولوں کو مرتب کیا تھا جس کا اصل نام ”تی پٹاکا“ ہے اصل میں یہ کتاب چند کتابوں کا مجموعہ ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) دینہ پٹاکا۔ اس کتاب میں وہ اصول و ضوابط موجود ہیں جو گوتم بدھ نے ”پردوتوں“ کے لئے وضع کیے تھے۔

(۲) ستاپٹاکا۔ یہ کتاب گوتم بدھ کے مواعظ اور ملفوظات پر مشتمل ہے جسے ”انند“ نے مرتب کیا تھا۔

(۳) ابھی دھماپٹاکا۔ اس کتاب میں گوتم بدھ کی نفسیاتی اور مذہبی تعلیم موجود ہے۔ یاد رہے کہ ان تینوں کتابوں کی بنیاد ان روایات اور اقوال پر ہے جو گوتم بدھ نے ”راج گڑھ“ کے مقام پر منعقد کی جانے والی مجالس میں بیان کیے تھے۔

ان تینوں کتابوں کے علاوہ گوتم بدھ کے ایک شاگرد نے اس کے نظم و ضبط سے متعلق اصولوں کو جمع کر کے تحریری شکل دی جسے بعد میں ”دوتاپٹاکا“ کے نام سے شہرت ملی۔ انند کی مرتب کردہ کتاب ستاپٹاکا کو بدھ مذہب میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور جدید دور کے تھنوں کو سامنے رکھ کر اس کا ایک خلاصہ تیار کیا گیا ہے جس کا نام ”دھمما پٹا“ ہے یوں سمجھ لیجئے کہ یہ کتاب بدھ مت کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔

جیسا کہ چھپے ذکر ہوا کہ اس وقت بدھ مذہب کا سب سے بڑا فرقہ ”ہنائائیاہنا“ ہے جس کی کتابیں سب سے پہلے پالی زبان میں لکھی گئیں، اس کے بعد سنسکرت، تبت، چین اور جاپان کی لغات میں اس کے تراجم کیے گئے جن کی تدوین کچھ ہی عرصہ قبل

ہوئی ہے، ان کی چند مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔

- | | | | |
|-----|--------------|-----|------------------|
| (۱) | دُمندسترا | (۲) | لکاوتراسترا |
| (۳) | سُورنگماسترا | (۴) | سیکھاوتی یواسترا |

﴿بدھ مذہب کی اہم تعلیمات﴾

بدھ مذہب میں عام دنیا دار کیلئے اخلاقی ضابطے:

ہر مذہب میں دنیا داروں کیلئے کچھ نہ کچھ اخلاقی ضابطے ہوا کرتے ہیں جن کی وہ پابندی کرنا خود بھی ضروری سمجھتے ہیں اور مذہب بھی انہیں اس کا پابند کرتا ہے چنانچہ بدھ مذہب میں بھی ان کے لئے کچھ اخلاقی ضابطے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) کسی جانور کو قتل نہ کریں۔

(۲) نہ خود چوری کریں، نہ کسی کو کرنے دیں۔

(۳) زنا کاری سے بچیں۔

(۴) جھوٹ سے بچیں۔

(۵) فحشی اشیاء سے بچیں۔

اس کے علاوہ تین قانون اور دیئے گئے ہیں جو بہت ضروری مانے گئے ہیں لیکن وہ کثر مذہبی اور گریہست کیلئے ہیں جو یہ ہیں۔

(۱) رات کو دیر سے کھانا نہیں کھانا چاہیے۔

(۲) مالا پہننے اور خوشبو لگانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(۳) زمین پر سونا نہیں چاہیے۔

والدین اور اولاد کے فرائض

(۱) برے کاموں سے اولاد کو روکیں۔

(۲) خود بھی نیکی کریں اور اپنی اولاد کو بھی اس کی تلقین کریں۔

- (۳) اپنی اولاد کو علوم و فنون کی تعلیم دیں۔
 (۴) لڑکوں کے لئے شریف بیویاں اور لڑکیوں کے لئے شریف شوہر تلاش کریں۔
 (۵) اپنی اولاد کو ورثہ اور ترکہ دیں۔

اولاد کے ذمے والدین کے متعلق حسب ذیل فرائض ہیں۔

- (۱) والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں۔
 (۲) ان کی جائیداد کی حفاظت کریں۔
 (۳) اپنے آپ کو ان کا وارث ہونے کا لائق بنائیں۔
 (۴) ان کی موت کے بعد عزت سے ”دھیان“ کریں۔

شاگردوں کے فرائض

- (۱) شاگرد اپنے استاد کی تعظیم کریں۔
 (۲) اس کے سامنے ادب سے کھڑے ہوں۔
 (۳) اپنے استاد کے نائب کے طور پر کام کریں۔
 (۴) اپنے استاد کے نیک اعمال کی پیروی کریں۔
 (۵) استاد کی ضروریات پوری کریں۔
 (۶) اساتذہ کی نصیحتوں اور ان کی تعلیمات پر عمل کریں۔

استاد کے فرائض

- (۱) استاد اپنے شاگردوں کو ایسی تعلیم دیں جس سے پائیدار علم حاصل ہو۔
 (۲) اچھی اور نیک باتیں انہیں سکھائیں۔
 (۳) شاگردوں کو عقل و شعور کی باتیں سکھائیں۔
 (۴) اپنے شاگردوں کے متعلقین سے حسن سلوک سے پیش آئیں۔

شوہر کے فرائض

- (۱) بیوی کے ساتھ باعزت سلوک سے پیش آئے۔
- (۲) بیوی کے ساتھ ثابت قدم رہے۔
- (۳) بیوی کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔
- (۴) دوسروں سے عزت کرائے۔
- (۵) مناسب کپڑے اور زیورات دے۔

بیوی کے فرائض

- (۱) امور خانہ داری کو اچھے طریقے سے سرانجام دے۔
- (۲) شوہر کے رشتہ داروں کی عزت کرے۔
- (۳) شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی عصمت کی حفاظت کرے۔
- (۴) کفایت شعاری سے کام لے۔
- (۵) تمام کام عقل مندی اور ہوشیاری سے سرانجام دے۔

دوستوں کے فرائض

- (۱) دوستوں کو ہدیہ اور تحفہ دے۔
- (۲) شائستگی کے ساتھ ان سے گفتگو کرے۔
- (۳) دوستوں کی دلچسپی اور ان کے مقاصد کو بڑھاتا رہے۔
- (۴) دوستوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرے۔
- (۵) اپنی خوشی میں دوستوں کو شریک کرے۔
- (۶) دوست کی غیر موجودگی میں اس کے گھریلو کی نگرانی کرے۔
- (۷) خطرے کی حالت میں اسے پناہ دے۔
- (۸) دوست کے اہل و عیال کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے۔

آقا کے فرائض

- (۱) اپنے نوکروں کو ان کی استعداد کے مطابق کام دے۔
- (۲) انہیں اچھا کھانا اور تنخواہ دے۔
- (۳) بیماری کی حالت میں ان کا دکھ درد بانٹے۔
- (۴) انہیں عمدہ اور بہترین چیزیں دیتا رہے۔
- (۵) کبھی کبھار انہیں چٹھٹی بھی دے دیا کرے۔

نوکروں کے فرائض

- (۱) آقا سے پہلے بیدار ہو۔
- (۲) اس کے سونے کے بعد سوئے۔
- (۳) اس کے دیئے ہوئے پر قناعت کرے۔
- (۴) اس کی تعریف کرتا رہے۔

بدھ مذہب کے مختلف عقائد

بدھ مت کی موجودہ تعلیمات کے مطابق گوتم بدھ کی باتوں میں ”خدا“ کا تذکرہ ملتا ہے جسے وہ ”ایمانا“ کہتے ہیں چنانچہ ”اشوک“ کے جو کتبے دریافت ہوئے ہیں ان میں سے ایک کتبے پر یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ”خدا (ایمانا) پر ایمان لاؤ، اس کی ہستی کا اقرار کرو، کیونکہ وہی اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی اطاعت اور فرماں برداری کی جائے۔“

روح سے متعلق بدھ مت کا عقیدہ

روح سے متعلق گوتم بدھ کے عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے ”شردھ“ پرکاش دیوجی“ لکھتا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے جسم کی مثال اس مہمان کی طرح ہوتی ہے جو اپنے میزبان سے رخصت ہوتے وقت اس کے گھریلو حالات کو زمانہ گزشتہ سمجھ کر وہیں چھوڑ جاتا ہے، لیکن یاد رہے کہ اس کی روح مرتی نہیں بلکہ ایک اور اعلیٰ

زندگی اسے حاصل ہو جاتی ہے۔

فرشتوں سے متعلق عقیدہ

گوتم بدھ کے ایک مشہور شاگرد ”اشوک“ کے لکھے ہوئے جو کتبے دریافت ہوئے ہیں وہ پالی زبان میں پتھروں پر لکھے ہوئے ہیں جسے سب سے پہلے ”پرنسٹن“ نے پڑھا تاہم اب عربی زبان میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں، ان کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ گوتم بدھ ”دیوتاؤں“ کا قائل تھا لیکن وہ ہندوؤں کی طرح ان کی کیفیات بیان نہیں کرتا تھا بلکہ وہ ان کا تذکرہ ان صفات سے کرتا تھا جو فرشتوں میں پائی جاتی ہیں چنانچہ ان کی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ ایک ”سورگی دیوتا“ ہے جس کا روشن چہرہ اور لباس برف کی طرح سفید تھا، اسی طرح لکھا ہے کہ ایک برہمن گوتم بدھ کے پاس آیا اور اخلاقیات کے متعلق چند سوالات کیے اور عمدہ جواب پا کر وہاں سے غائب ہو گیا۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ آسمان اور اس کی بلندیوں میں دیوتا بھرے ہوئے ہیں، سب سے اوپر ”برہما“ کا عرش اور اس کے دیوتا ہیں۔

قیامت سے متعلق عقیدہ

اشوک کے نزدیک گوتم بدھ قیامت کا قائل تھا، سنگی کتبہ چہارم میں لکھا ہے کہ میری اولاد اور جانشین قیامت تک اگر میری اتباع کریں تو وہ قائل تعریف کام کریں گے۔ لیکن جو اس فرض کا ایک حصہ بھی چھوڑ دے وہ قبیح فعل کا مرتکب ہوگا۔

حیات بعد الموت سے متعلق عقیدہ

اشوک کے دریافت شدہ کتبوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدھ مت میں حیات بعد الموت کا عقیدہ موجود ہے، سنگی کتبے میں لکھا ہے کہ میں اپنی کوششوں اور کام کی رفتار سے کبھی بھی مطمئن نہیں رہتا کیونکہ میں ساری دنیا کی خبر گیری کو اپنے لئے ایک مقدس فریضہ سمجھتا ہوں تاکہ میں لوگوں کیلئے دنیا میں خوشی کا سبب بن سکوں اور تاکہ لوگ دوسری دنیا میں بہشت حاصل کریں۔

﴿بدھ مذہب کا اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ﴾

(۱) مرکزی نقطہ نظر

گوتم بدھ نے رسوم و عبادات کو بغیر نفس کی اصلاح کے بے کار قرار دیا ہے، اور گوتم بدھ کے پیغام کا مرکزی نقطہ نظر اصلاح تھا جبکہ اسلام میں محض رسومات کا انکار کیا گیا ہے اور جن عبادات کو فرض قرار دیا گیا ہے، ان کا مقصد تقویٰ اور اصلاح ہے۔

(۲) خواہشات نفسانی

گوتم بدھ نے حرص و ہوی کو تمام تکالیف اور مصائب کا سرچشمہ قرار دیا ہے اسی لیے گوتم بدھ اپنے پیروکاروں کو حکم دیتا تھا کہ حرص و ہوی کی سرکشی کو فراموش کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خواہش نفس کو کچلنے کے بجائے اسے دین اسلام کے تابع کرنے کا حکم دیا ہے اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

﴿لَا يَوْمَن أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَعَالَمَا جَنَّتْ بِهِ﴾

اور جو شخص اپنے نفس کی پیروی کرے، اسلام میں اسے گناہ گار اور نادان انسان قرار دیا گیا ہے۔

(۳) اتفاقیات

گوتم بدھ نے مثبت راہ تعلیم کے بھی اصول بتائے ہیں یعنی صدق عقیدت، صدق ارادہ، راست گوئی اور راست بازی وغیرہ مفہوم کے اعتبار سے راہ تعلیم کے یہ اصول اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں اور اسلام بھی ان چیزوں کی ترغیب دیتا ہے۔

اسی طرح گوتم بدھ نے زنا، چوری، نشہ، اور رقص وغیرہ پر پابندی لگائی ہے، اور جانوروں کو اذیت دینے سے منع کیا ہے کیونکہ اس کے نزدیک یہ چیزیں بھی راحت حاصل کرنے میں رکاوٹ ہیں اور اسلام نے بھی ان چیزوں سے منع کیا ہے، تاہم موذی جانوروں کو مارنا اسلام میں جائز ہے، بدھ مت میں یہ بھی جائز نہیں۔

(۴) اطمینان کیسے حاصل ہو؟

گوتم بدھ کی تعلیمات کا اصل مقصد ”نروان“ یعنی اطمینان قلب کا حصول ہے جو خواہشات کو ختم کر کے ہی حاصل ہو سکتا ہے جبکہ اسلام میں گو اطمینان قلب کی اہمیت مسلم ہے لیکن اس کے حصول کا ذریعہ ”ذکر الہی“ میں مشغولیت ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ بدھ مت میں خواہشات کو کچل کر ختم کرنا اور اطمینان قلب حاصل کرنا مقصود بالذات ہے جبکہ اسلام کا نظریہ اس سے پہلے واضح ہو چکا ہے اور نروان حاصل کرنے کا وہ طریقہ جو بدھ مت میں ہے، اسے غیر فطری قرار دیا گیا ہے۔

(۵) رہبانیت

گوتم بدھ اپنے پیروکاروں کو رہبانیت کی تعلیم دیا کرتا تھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور اعزہ و اقرباء سے کٹ کر خانقاہوں میں رہ پڑیں جبکہ اسلام رہبانیت کا شدید مخالف ہے اور اس نے رہبانیت کو اہل کتاب کی ایجاد کردہ جہت قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی ہے اور اسلام کا دم بھرنے والوں کو معاشرتی زندگی اور ادائیگی حقوق و فرائض سے بھرپور زندگی گزارنے کا درس دیا گیا ہے۔

(۶) بھکاری پن

گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق اس کے وہ پیروکار جو درویشانہ زندگی گزارنا چاہتے ہیں ان کے لئے در بدر بھیک مانگتے پھرتے رہنا ضروری ہے، جبکہ اسلام میں ہر شخص کو اپنے ہاتھ کی کمائی کھانے کی تلقین کرتے ہوئے بھیک مانگنے کی سخت مذمت کی گئی ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

﴿الکاسب حیب اللہ﴾

بلا ضرورت و مجبوری کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے والے کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ ایسے شخص کے چہرے پر قیامت کے دن گوشت نہیں ہوگا۔

(۷) متعدی امراض

بدھ مت میں درد لیش بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شخص کسی متعدی مرض میں مبتلا نہ ہو جب کہ اسلام میں بیمار اور تندرست کی کوئی تفریق نہیں اور اسلام نے نظریہ جھوٹ چھات کوئی اہیت نہیں دی۔

(۸) شرائط داخلہ

بدھ مت میں درویش بننے کے لئے جن شرائط کا تذکرہ آپ مذشتہ صفحات میں پڑھ کر آئے ہیں، اسلام نے کبھی بھی انہیں تحریری طور پر تو درکنار، زبانی طور پر بھی بیان نہیں کیا اور نہ ہی ان کا اختیار کیا ہے بلکہ صرف اتنا کہا ہے کہ قبولیت اسلام کے لئے تھد یق قلبی کے ساتھ ساتھ توحید و رسالت کا زبانی اقرار کر لینا کافی ہے۔

فائدہ

یاد رہے کہ بدھ مذہب میں مردے کو زمین ہی میں دفن کر کے اوپر سے مٹی برابر کر دی جاتی ہے اور اوپر گول سا کپڑا لگا دیا جاتا ہے، ایصال ثواب بھی جائز ہے جو باقاعدہ خدا کا نام پتھر کیا جاتا ہے، اور یہ لوگ حلال چیزیں ہی کھاتے ہیں خنزیر اور دوسرے درندے یہ لوگ بالکل نہیں کھاتے اس لیے عین ممکن ہے کہ یہ لوگ بھی اہل کتاب ہوں۔

بدھ مت کے پیروکار کتنے اور کہاں ہیں؟

پوری دنیا میں بدھ مت کے پیروکار اڑھائی یا تین کروڑ ہیں اور اگر اس کے تمام فرقوں کو ملا کر ان کی مجموعی تعداد شمار کی جائے تو وہ پچاس کروڑ بنتی ہے، سرکاری طور پر یہ مذہب تبت میں رائج ہے، اس کے علاوہ چین، جاپان، کوریا، سنگاپور، اور سری لنکا وغیرہ میں بھی ان کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔

باب سوم

﴿سکھ مت﴾

ہائی مذہب اور مذہب کی نقاب کشائی،
تعلیمات و احکامات، مذہبی کتابیں، مختلف فرقے
اور اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب سوم

﴿سکھ مت﴾

یہ کوئی بہت زیادہ قدیم مذہب نہیں بلکہ اس کا شمار دنیا کے جدید ترین مذاہب میں ہوتا ہے کیونکہ اس کا نقطہ آغاز سولہویں صدی عیسوی ہے اور اس کا اصل ماخذ ”ہندومت“ ہی ہے تاہم سکھ مت کی کوشش رہی ہے کہ وہ دیگر مذاہب کے عناصر سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات کے عناصر کو بھی اپنے اندر جذب کرے جیسا کہ عنقریب تفصیلات آتی ہیں۔

سکھ مت کی حقیقت

سکھ مت کے بارے آج کل دو نظریے پائے جاتے ہیں، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ سکھ مت ایک جدید اور خود مختار مذہب ہے اور مذاہب عالم میں اسے بھی ایک مستقل مذہب کی حیثیت حاصل ہے جبکہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ کوئی باقاعدہ مذہب نہیں بلکہ یہ ”ہندومت“ کی ایک ”اصلاحی تحریک“ کا نام ہے جس نے ہندوانہ عقائد اور نظریات کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور ان کا نصب العین ہندوؤں کے مذہبی عقائد کی تطہیر تھا۔

سکھ مت کا بانی

سکھ مت کے حقیقی بانی کا نام ”بابا گرناک“ ہے جو شیخوپورہ کے ایک قصبہ ٹکوٹھی میں پیدا ہوئے جس کا موجودہ نام ”نکانہ صاحب“ ہے ان کے والدین مذہبی طور پر ہندو تھے، ابتدائی تعلیم بالکل حاصل نہیں کی لیکن اس کے باوجود مذہب اور شعر و شاعری سے بہت لگاؤ تھا، کاروباری اور عملی زندگی سے گھبراتے تھے، مجبور ہو کر والدین نے بارہ سال کی عمر میں شادی کر دی جس سے ان کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔

ملازمت

اب جب اولاد کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر پڑی تو انہیں روزگار کی فکر ہوئی اور اپنے والد کی کوششوں سے سلطان پور کے نواب دولت علی خان کے یہاں ”گھریلو ساز و سامان کے محافظ“ مقرر ہو گئے، اور ایک طویل عرصہ اس پیشے سے وابستہ رہے، تاہم اس دوران انہیں جب بھی فرصت ملتی تو وہ اپنے دل کو تسکین دینے کے لئے جنگلات میں جا کر مراقبہ میں مشغول ہو جاتے۔

تیس سال کی عمر میں

جب بابا نانک کی عمر تیس سال کے قریب پہنچی تو ”سمکھوں کی روایات کے مطابق“ انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا اور انہیں ”غیر“ کے طور پر منتخب کر لیا گیا، جو غیر کی کا عہدہ ملنے کے بعد انہوں نے ملازمت کو خیر باد کہا اور در بدر پھر کراپنے عقائد کا پرچار کرنے لگے۔

ج

اس دوران انہوں نے ہندوستان، ایران اور افغانستان وغیرہ کا بھی سفر کیا اور لوگوں کے سامنے اپنی تعلیمات پیش کیں اور مشہور ہے کہ دوران سیاحت بابا نانک مکہ مکرمہ بھی آئے اور حج بھی کیا گو کہ تاریخی طور پر اسکے ٹھوس شواہد مہیا نہیں ہو سکے، تاہم پروفیسر لیوس مور نے ان کے حج کرنے کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے اور پروفیسر لیاقت علی نے بھی مکہ مکرمہ کی زیارت کو ثابت کیا ہے، اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر لازمی طور پر یہ بات بھی ماننا پڑے گی کہ بابا نانک مسلمانوں کی دیکھا دیکھی افعال سرانجام دیتے رہے ہوں گے جس میں ان سے بعض اوقات فحش غلطیاں بھی ہوئی ہوں گی، اور لوگوں نے ان کی مخالفت بھی کی ہوگی، اور یہ بات ایک لازمی نتیجہ کے طور پر صرف ہمارا خیال نہیں بلکہ اس کی تائید پروفیسر لیوس مور کے اس بیان سے ہوتی ہے۔

”اپنے سفر کے دوران نانک نے مکہ میں حج ادا کیا، اگرچہ مسلمانوں کی

عبادت گاہ کے لئے مناسب تنظیم ادا کرنے پر رضا مند نہ ہونے کی وجہ سے وہاں مخالفت مول لی۔“ (مذہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا، ص ۲۵۲)

وفات

گرو نانک کا انتقال ستر سال کی عمر میں ۱۵۳۹ء میں ہوا، اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے اپنے ایک مخلص مرید ”انگد“ کو اپنے جانشین کی حیثیت سے نامزد کیا اور جانشین کا یہ سلسلہ چلتا رہا چنانچہ ”انگد“ نے اپنے بعد ”آنر داس“ کو اپنا جانشین قائم کیا اور اس نے شہنشاہ اکبر سے اپنے تعلقات استوار کیے، امر داس کے بعد اس کا داماد اور مرید ”رام داس“ جانشین مقرر ہوا، ان کا سب سے آخری گرو گوند سنگھ تھا جس نے مرتے وقت اپنا جانشین نامزد کرنے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ ”گرنتھ کو اپنا آئندہ گرو اور رب تعالیٰ کو اپنا واحد محافظ تصور کریں۔“

سکھ مت کی تعلیمات

سکھ مت کی تعلیمات میں جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ ”اخوت اور مساوات کا پرچار“ ہے اور یہ جملہ گرو نانک جی کا ہے، ”کوئی مسلم ہے نہ کوئی ہندو“، سکھ مت بت پرستی کی شدید مذمت کرتا ہے، سکھ اس دھرم میں مبتلا ہے کہ ہندو مت اور اسلام دونوں افراط و تفریط کا شکار ہیں۔

گیارہ اہم اصول

سکھ مت بنیادی طور پر خدا کا منکر نہیں اور نہ ہی کسی کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی تلقین کرتا ہے، چنانچہ اس کے مندرجہ ذیل اہم اصول اور تعلیمات اس کی دلیل ہیں۔

(۱) توحید کا تصور

سکھ مت کا نظریہ توحید اسلامی نظریہ توحید سے چنداں مختلف نہیں چنانچہ بابا

گرونا تک ”معبود“ کا تصور پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے، اس کا نام سچا ہے، وہی قادر و فاعل مطلق ہے، وہ بے خوف ہے، اس کی کسی سے دشمنی نہیں، وہ ازلی اور ابدی ہے، بے شکل و صورت ہے، قائم بالذات ہے اور خود اپنی توفیق و رضا سے حاصل ہوتا ہے وغیرہ۔

(۲) عشق الہی کا تصور

بابا گردنا تک بنیادی طور پر خود بھی عشق خداوندی کے جذبے سے سرشار تھے اور معبود حقیقی کا تصور پیش کرنے کے بعد وہ اپنے پیروکاروں سے بھی اسی چیز کا مطالبہ کرتے ہیں۔

(۳) تزکیہ نفس کا تصور

گرونا تک نے اپنی تعلیمات اور اپنے شاعرانہ کلام میں تزکیہ نفس کیلئے انانیت، خواہشات نفسانی، حرص و طمع، دنیا سے تعلق اور غصہ وغیرہ سے اپنے آپ کو دور رکھنا ضروری قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے انسان کا من پاک نہیں ہو سکتا۔

(۴) ذکر الہی کا تصور

سکھ مت میں ”ذکر الہی“ کو ”نام سمرن“ کہا جاتا ہے جس کا ایک عام طریقہ ”واگبوری“ ہے یعنی اپنے تمام مشاغل میں مصروفیت کو برقرار رکھتے ہوئے ہر حال میں چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کیا جائے اور اس کا خاص طریقہ سکھ مت میں یہ ہے کہ صبح سویرے تہار منہ اٹھ کر غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر گرتھ کا منتخب کلام پڑھا جائے اور بعض سکھ ”نام سمرن“ کیلئے تسبیح بھی استعمال کرتے ہیں۔

(۵) نیک محبت، خدمت خلق اور رزق حلال کا تصور

بنیادی طور پر ان تینوں چیزوں کا وجود اسی معاشرے کے افراد کے ساتھ ہو سکتا ہے جو معاشرے کا حصہ بننے ہوئے ان کاموں کو سرانجام دیں۔ رہبانیت زدہ افراد یقیناً

سچی محبت، خدمتِ خلق اور کسبِ حلال کے تصور سے بھی نا آشنا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بابا گرو نانک رہبانیت کے سخت خلاف تھے۔

(۶) تصور رسالت

پروفیسر لیاقت علی عظیم ”جہنم سماکھی دلایت والی ص ۲۳۷“ کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔

”م“ محمد من قول من کتاباں چار، من خدائے رسول نوں سچا ای
دربار یعنی ہر ایک انسان کیلئے اللہ واحد کی توحید کے ساتھ ساتھ اس
کے عمل رسالت کو ماننا ضروری ہے۔“ (مذہب کا تقابلی مطالعہ ص ۳۵۵)

(۷) ارکان اسلام کا تصور

سکھوں کی مذہبی مقدس کتاب ”گرنتھ“ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کی خاطر گردنانک نے اذان بھی دی، نماز بھی پڑھی، لوگوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی اور روزے رکھنے کی تلقین بھی کی اور خورج بھی کیا۔

(۸) قرآن کریم کا تصور

قرآن کریم سے متعلق گردنانک کے الفاظ کسی قسم کی بے ادبی لیے بغیر اس کی تعریف پر مشتمل ہیں اور ان کا کہنا یہ ہے کہ میں نے تورات، زبور، انجیل اور ویدیں سب ہی پڑھی اور سنی ہیں لیکن قرآن کریم جیسی کتاب اس روئے زمین پر نہیں اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے کل کائنات کی ہدایت کیلئے منتخب فرمایا ہے اسی لیے تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ گردنانک اپنے ساتھ سفر میں ہمیشہ قرآن کریم کا ایک نسخہ رکھا کرتے تھے جو ضلع فیروز پور کے گوردوارے میں آج بھی موجود ہے۔

(۹) قیامت کا تصور

قیامت سے متعلق گردنانک کا عقیدہ اسلامی نظریہ قیامت سے قطعاً مختلف نہیں

اور وہ بھی زوال و فناء دنیا کے اسی طرح قائل ہیں جیسے مسلمان۔

(۱۰) آدھا گون کا تصور

تناخ اور آدھا گون کے سلسلے میں گردنا تک نے ہندوانہ عقیدے کو ترجیح دیتے ہوئے اسی کو اختیار کیا ہے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان مختلف شکلوں میں بار بار جنم لیتا رہے گا۔

(۱۱) گردو کا تصور

گردو تک کا عقیدہ ہے کہ عشق الہی کے حصول اور خدا تک رسائی کیلئے کسی نہ کسی پیر و مرشد اور گردو سے قلبی ارادت کا تعلق ہونا ضروری ہے ورنہ ان چیزوں کا حصول ممکن نہ ہوگا۔

﴿سکھوں کی مذہبی کتابیں﴾

سکھوں کی مذہبی مقدس کتاب کا نام ”گرنٹھ“ ہے جسے سکھوں کے پانچویں گردو اور جن نے لکھا تھا، اس کے پہلے حصے کا پورا نام ”آدی گرنٹھ“ ہے۔ اس میں نائک کے زمانے سے پہلے مصلحین اور ان کی تصانیف کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔

گرنٹھ مکمل طور پر نظم میں لکھی گئی ہے، البتہ نظم میں اس چیز کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی کہ تمام تراشعار ایک ہی ”وزن“ پر ہوں۔ اس کا اکثر حصہ قدیم ہندی رسم الخط گرکھی میں تحریر شدہ ہے اور کچھ حصہ دوسری زبانوں میں بھی ہے۔

گرنٹھ کے دوسرے حصے کو ”دسم گرنٹھ“ کہتے ہیں جسے گووند سنگھ نے مرتب کیا تھا۔ اس میں زیادہ تر اشعار اللہ تعالیٰ کی تعریف پر مشتمل ہیں اور کچھ ہندی شعراء کا متفرق کلام بھی پایا جاتا ہے۔

گرنٹھ کے کل اشعار کی تعداد ۳۳۸۳ ہے اور رنگ وید سے سائز میں تین گنا بڑی ہے اور اس میں بعض اشعار ایسے بھی ہیں جو تعلیمات قرآنی کے یکسر مخالف ہیں۔

﴿سکھوں کے فرقے﴾

سکھوں میں بہت سے فرقے سکھ مت کا ارتقائی شاخسانہ ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) نانک پننتھی

اس فرقے کے لوگ جنگجو اور لڑاکا نہیں ہوتے، تمباکو نوشی ان کے یہاں ممنوع نہیں اور نہ ہی یہ لوگ لمبے لمبے بال رکھنے پر اصرار کرتے ہیں اور داڑھی منڈوانے کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲) اداسی فرقہ

اس فرقے کے لوگ رہبانیت پسند ہوتے ہیں اور ان کے اصول و عقائد میں ہندوؤں کے راہبانہ عقائد کی بہت زیادہ جھلک پائی جاتی ہے کیونکہ ”اداسی“ کا معنی ہی تارک دنیا ہے اسی وجہ سے یہ لوگ شادی بھی نہیں کرتے اور بھکشوؤں کی طرح کھر درے پیلے کپڑے پہنتے ہیں یا پھر جوگیوں کی طرح رہتے ہیں۔

(۳) اکالی فرقہ

”اکال“ کا معنی ہے ”اللہ“ یعنی خدا کی پوجا کرنے والا فرقہ اس فرقے کے لوگ انتہائی جنگجو ہوتے ہیں اور دوسرے فرقوں کی نسبت زیادہ کٹر عقائد کے حامل ہوتے ہیں۔

(۴) بندہ پننتھی

اس فرقے کے لوگ ”بندائی“ بھی کہلاتے ہیں جنہوں نے ”بندہ“ نامی شخص کو اپنا گیارہواں گرد تسلیم کر لیا تھا اور اب اسی کے عقائد کی راہنمائی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

(۵) مذہبی فرقہ

اسے عام تلفظ میں عوام ”مڑی فرقہ“ بھی کہہ دیتے ہیں اس فرقے کے لوگ ایک خاص رسم کے ذریعے سکھ مت میں داخل ہوتے ہیں اس لئے انہیں یہ نام دیا گیا ہے۔

(۶) رام داسی فرقہ

اس فرقے کے لوگ سب سے پہلے گورو رام داس کے ہاتھ پر سکھ مت قبولی کر کے اس میں داخل ہوئے تاہم یہ بھی اس خاص رسم کی ادائیگی ضرور کرتے ہیں جو مذہبی فرقے کے لوگ سرانجام دیتے ہیں۔

سکھ مت میں داخل ہونے کا طریقہ

سکھوں میں یہ بات مشہور ہے کہ کوئی بھی شخص سکھ خاندان میں پیدا ہونے کی وجہ سے سکھ نہیں ہوتا بلکہ جب وہ عمر کے پختہ حصے کو پہنچ جائے تو ایک مخصوص رسم کے ذریعے وہ سکھ مت میں داخل ہو سکتا ہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک پیالے میں بیٹھا پانی لے کر اس پر کرپان پھیری جاتی ہے اور سکھ مت کے متنی مخلص کو عقائد اور دوسروں کی تعلیم دیتے ہوئے اس پر پانی کے چھینٹے مارے جاتے ہیں اس رسم کو ان کے یہاں ”پالمن“ کہا جاتا ہے۔

سکھوں کے شب و روز

سکھوں کے شبانہ روز معمولات کچھ اس طرح ہیں کہ وہ صبح سویرے اٹھ کر سب سے پہلے غسل کرتے ہیں، اس کے بعد مخصوص بھجن گائے جاتے ہیں اور دعائیں پڑھی جاتی ہیں، اس کے بعد اپنے معمولات سے فراغت پا کر رات کو بھجن اور دعائیں پڑھنے کی ایک اور رسم ہوتی ہے۔

سکھ اجتماعی عبادت کے لئے اپنے عبادت خانے میں جسے ”گوردوارہ“ کہا جاتا ہے، اکٹھے ہوتے اور ملتے ہیں جہاں سب سے اہم ترین عبادت ”مہرتھ“ کو پڑھنا ہوتا

ہے اس کی مختلف دعائیں، بھجن، و غنڈ اور شکر کا کھانا بھی اسی اجتماع کا حصہ ہوتا ہے۔ چونکہ سکھوں میں اب ”گرڈ“ کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اس لیے سکھ برادری کا کوئی فرد بھی اجتماعی خدمات سرانجام دے سکتا ہے اسی طرح عبادت کے سلسلے میں ذات پات یا اختلاف جنس کی کوئی قید نہیں بلکہ تمام فرقوں کے مرد و عورت اکٹھے ہو کر عبادت کرتے ہیں۔

سکھوں کے گوردوارے

سکھوں کے گوردوارے پنجاب کے اکثر علاقوں میں پائے جاتے ہیں جن میں سے زیادہ مشہور گوردوارے امرتسر، گورداس پور، اور فیروز پور کے اضلاع میں ہیں، سکھوں کے نزدیک سب سے زیادہ مقدس گوردوارہ امرتسر کا طلائی مندر یعنی دربار صاحب اور گردناک کی جائے پیدائش یعنی ننگنا صاحب ہیں جہاں ہر سال مقررہ اوقات پر میلے لگتے ہیں اور ہر سکھ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ تو ”امرتسر“ کے گوردوارے میں ضرور حاضری دے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ”گولڈن ٹمپل آف امرتسر“ سکھوں کے لئے خصوصی توجہ کا مرکز ہے۔

﴿سکھ مت اور اسلام کا تقابلی جائزہ﴾

(۱) اخوت اور مساوات

اخوت و مساوات کا درس اسلامی تعلیمات میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے، جس کے لئے گردناک نے اپنی عملی زندگی میں بہت سے اقدامات کیے تاہم ”نہ کوئی ہندو ہے اور نہ کوئی مسلم“ اسلامی نظریہ مساوات سے بہت دور ہے اور اسلام نے بہت پہلے کہہ دیا تھا ”الکفر ملۃ واحده“ اسلام الگ دین ہے اور کفر خواہ کسی بھی صورت میں ہو، اسلام کے بالمقابل دوسرا دین ہے، انہیں آپس میں جمع کرنا آگ اور پانی، دن اور رات، زمین اور آسمان، چاند اور سورج کو جمع کرنے کے مترادف ہے اور یہی وہ ”دوقومی نظریہ“ ہے جو پاکستان کے معرض وجود میں آنے کا ذریعہ بنا۔

(۲) تناخ

تناخ اور آواگون کا ہندوانہ عقیدہ بھی سکھ مت نے جوں کا توں قبول کر لیا، اسلام نے اس عقیدے کو کبھی بھی تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی اسے کوئی حیثیت دی ہے، اسلام اور ہندو مت کے تقابلی مطالعہ میں اس کی مزید تفصیل دوبارہ ملاحظہ فرمائیے۔

(۳) گرو کی ضرورت

سکھ مت اپنے پیروکاروں کیلئے کسی گرو اور مرشد سے قلبی تعلق قائم کرنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے جبکہ اسلام میں اصل مقصد ”اصلاحِ نفس“ ہے جس کیلئے کسی پیر سے بیعت کرنا ضروری نہیں۔ یہ انگ بات ہے کہ اسے اطمینانِ قلب کا ذریعہ قرار دیدیا جائے لیکن اس کی کوئی حیثیت نہیں کہ پیر کے بغیر انسان اصلاحِ نفس کا مقصد حاصل نہیں کر سکتا۔ پھر سکھ مت بھی عملی طور پر اپنے گیارہویں گرو کے بعد کسی گرو کو پیدا نہ کر سکا اور عملی طور پر اس کا یہ اصول اپنی موت آپ مر گیا اور اب تک سکھ اپنے مذہبی پیشوا اور رہنما کے طور پر صرف اپنی مقدس کتاب ”گرنتھ“ کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے نزدیک کوئی انسانی ہستی گرو کا درجہ حاصل کرنے کے قابل نہیں۔

(۴) نبوت اور پیغمبری

سکھ مت نے اپنے بانی بابا گردنا تک کو ایک ”پیغمبر“ کی حیثیت سے متعارف کروایا ہے جب کہ اسلام نے نبی مکرم، سرورِ دو عالم ﷺ کو خاتم النبیین اور سلسلہ نبوت کی آخری کڑی قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(۵) خلافِ فطرت امور

سکھ مت فطرت کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو تلقین کرتا ہے کہ جسم کے کسی حصے کے بال نہ تراشے جائیں جب کہ اسلام دینِ فطرت ہونے کی وجہ سے انسان کی تمام فطری ضروریات اور تقاضوں کو بھرپور انداز میں پورا کرتا ہے۔

باب چہارم

﴿جین مت﴾

بانی و مصنفین مذہب، تعلیمات اور اس مذہب
میں داخلہ کا طریقہ و کار، مختلف فرقے اور مذہبی کتابیں،
اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب چہارم

﴿جین مت﴾

”جین“ کا لفظ ”جنا“ سے مشتق ہے جس کا معنی ”فاتح اور غالب“ ہے۔ یہ لوگ اپنے زعم میں اپنی خواہشات پر غالب آچکے ہیں اس لئے یہ اپنے آپ کو ”جینی“ کہتے ہیں، جین مت کے نقطہ آغاز سے متعلق حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے، تاہم اس مذہب کے لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کا مذہب کروڑوں سال سے موجود ہے اور ازلی ابدی ہے۔ جین مت کی روایات کے مطابق اس دور کی عمریں ناقابل یقین حد تک طویل بتائی جاتی ہیں۔

جین مت کے بانی و مصلحین

ان لوگوں کا سب سے پہلا مصلح ”ناتھ“ نامی شخص تھا اور سب سے آخری مصلح ”پرسوناتھ“ نامی شخص تھا، موجودہ جین مت کا بانی ”مہاویر“ کو قرار دیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ مہاویر کی پیدائش ”پرسوناتھ“ کے ۲۷۰ سال بعد ۵۴۰ ق م کو ہوئی۔

مہاویر

مہاویر سے قبل جین مت کی تشکیل میں تیس لوگ گزرے ہیں۔ خود مہاویر کی پیدائش ایک کھشتری خاندان میں ہوئی اس کا اصلی نام ”وردھمان“ تھا اور والد کا نام ”سرھادھ“ تھا، ابتدائی پرورش بڑے تازہ فہم میں ہوئی۔ تیس سال کی عمر میں ”ہندو مت“ کو خیر باد کہہ کر راہبانہ زندگی اختیار کر لی، راہبانہ زندگی کے حالات کی تفصیلات بہت حد تک گوتم بدھ کی زندگی سے مشابہت رکھتی ہیں۔

مہاویر نے اپنے آپ کو لباس کے جھنجھٹ سے آزاد کرنے کیلئے صرف ایک جوڑا اپنے پاس رکھ لیا اور کامل بارہ سال اسی حالت میں گزار دیئے اور نجات کی تلاش میں

مارا مارا پھرتا رہا اسی دوران ایک مرتبہ وہ کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر گہرے مراقبے میں مشغول ہو گیا، اس وقت مہاویر کی عمر ۳۲ سال تھی۔ اس مراقبے میں اسے گیان دھیان اور نروان حاصل ہو گیا اور وہ اس راہ نجات کی تلقین دوسرے لوگوں کو بھی کرنے لگا بالفاظ دیگر اس طرح مہاویر ایک نئے مذہب کا بانی بن گیا اور آج کل اسی کے اصولوں پر مبنی مذہب کو ”جین مت“ کہا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ مہاویر کا انتقال ۷۲ برس کی عمر میں جنوبی بہار کے ایک مقام ”پاوا“ میں ہوا۔

﴿جین مت کی تعلیمات﴾

جین مت میں اطمینان قلبی اور نروان حاصل کرنے کیلئے ”مہاویر“ کے ذکر کردہ دو طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جن میں سے ایک طریقہ سلبی ہے اور دوسرا ایجابی۔

سلبی طریقہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے دل سے ہر قسم کی خواہشات کو نکال دے، جب انسان کے دل میں کوئی خواہش نہیں رہے گی تو اس کی روح حقیقی خوشی اور نروان سے ہمکنار ہو جائے گی۔

اور ایجابی طریقہ یہ ہے کہ انسان کے خیالات و عقائد اور علم و عمل درست ہوں جس کی وجہ سے اس کی روح کو حقیقی خوشی حاصل ہوگی اور یہی ”نروان“ ہے۔

جین مت میں اعمال کی درستگی کا طریقہ کار

جینی مذہب کے مطابق اعمال کی درستگی پانچ چیزوں پر مبنی ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اہمہ: یعنی کسی ذی روح اور جاندار کو تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ جین مت میں اس عقیدے کو بنیادی اہمیت و حیثیت حاصل ہے۔

(۲) سٹیاہم: یعنی ہمیشہ سچائی کو اپنا شعار اور اصول بنایا جائے۔

(۳) استیم: یعنی خون پینے یا کھانا کھانے سے روکنا حاصل کی جائے اس کیلئے چوری کا راستہ

اختیار نہ کیا جائے۔

(۴) برہمچاری: یعنی عفت و عصمت سے بھرپور پاکدامنی کی زندگی گزارتے ہوئے نفسیاتی برائیوں سے بچا جائے۔

(۵) آپری گراہہ: یعنی اپنے حواس خمسہ پر غلبہ پایا جائے۔

جب یہ پانچ چیزیں کسی شخص میں پیدا ہو جائیں تو اس کے اعمال درست ہو جائیں گے اور جب اعمال کی درستگی ہو جائے تو انسان دنیوی و دنیوی دولت حاصل ہو جاتی ہے۔

جین مت میں شریکیت کا طریقہ

جین مت میں داخلہ کے خواہش مند کو چند شرائط پر مبنی ایک حلف اٹھانا پڑتا ہے جس کی پابندی وہ تازیت کرتا ہے۔ یہ حلف اٹھائے بغیر کوئی شخص جین مت میں داخل نہیں ہو سکتا، حلف کی شرائط درج ذیل ہیں۔

- (۱) میں کسی ذی روح کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔
- (۲) کسی جاندار کو نقصان پہنچانے بھی نہیں دوں گا۔
- (۳) میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ کسی ذی روح کو ہلاک کرنا قابل مذمت عمل ہے۔

(۴) میں ہمیشہ کنوارا رہوں گا۔

(۵) میں راہبانہ زندگی بسر کروں گا۔

اس حلف نامے کی آخری دو شقیں چونکہ انسانی فطرت کے خلاف ہیں اسلئے بہت سارے جینی یہ حلف نہیں اٹھاتے تاہم پہلی تین شقیں پر ضرور عمل کرتے ہیں اور کسی ذی روح کو نقصان نہیں پہنچاتے اسی بناء پر یہ لوگ فوج میں ملازمت نہیں کرتے، قصاب کے پیشے سے دور بھاگتے ہیں، زمینداری اور کھیتی باڑی کے قریب بھی نہیں جاتے تاکہ کوئی ذی روح بے دھیانی میں مارا نہ جائے۔ جین مت نامے وابستہ اکثر لوگ تجارت کا پیشہ اختیار کرتے ہیں اس لئے یہ مالی طور پر امیر ہوتے ہیں۔

جینیوں کی ایک لفظی تصویر

جین مت کے پیروکار گوشت نہیں کھاتے بلکہ بڑی پر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں پانی کو چھانے بغیر نہیں پیتے اور ایک فرقے کے لوگ تو اندھیرا ہو جانے پر پانی پیتے ہی نہیں تاکہ پانی میں موجود کوئی کیڑا مکوڑا نہ جائے۔ یہ لوگ ہمیشہ منہ پر رد مال رکھتے ہیں تاکہ سانس کی گری سے جراثیم ہلاک نہ ہو جائیں، اپنے ہاتھ میں چھوٹا سا جھاڑو رکھتے ہیں اور زمین پر قدم رکھنے سے پہلے اسے صاف کرتے جاتے ہیں، یہ لوگ دانت بھی صاف نہیں کرتے البتہ خدمت خلق ان کا محبوب ترین مشغلہ ہے جس کیلئے وہ ہسپتال وغیرہ کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

جین مت کے فرقے

جین مت کے دو فرقے زیادہ مشہور ہیں۔

(۱) سو جیا مہر

اس فرقے کے لوگ ”وائٹ کھڈ“ بھی کہلاتے ہیں، یہ لوگ اکثر سفید لباس پہنتے ہیں۔ اور ان کی اکثریت شمالی ہندوستان میں آباد ہے۔

(۲) مہر

اس فرقے کے لوگوں کو ”سکائی کھڈ“ بھی کہا جاتا ہے، یہ لوگ آسانی رنگ کی ایک چادر پہنتے ہیں اور اکثر لوگ برہمنہ پھرتے رہتے ہیں، ان لوگوں کی اکثریت جنوبی ہندوستان میں آباد ہے۔

جین مت کی مشہور کتابیں

جین مت کی چار مشہور کتابیں ہیں۔

(۱) آپکس یا آکھ

(۲) میو

(۳) سوئٹرو

(۴) اپانکا

ان چاروں میں سے اول الذکر کو سب سے زیادہ مذہبی اہمیت حاصل ہوئی۔

جدید دور کا جین مت

مہاویر کے بعد جین مت میں بہت سی تبدیلیاں آ گئی ہیں اور موجودہ جینی لوگ آدھاکون پر یقین رکھتے ہیں اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ جب کوئی روح گناہ کرتی ہے تو وہ اس قدر جو محصل ہو جاتی ہے کہ وہ ٹوٹنے لگتی ہے اور ساتویں ذورخ میں گرنے لگتی ہے۔ اور جب وہ پاک صاف ہو جاتی ہے تو چھیسیویں بہشت میں پہنچ جاتی ہے اور اسے ”زردان“ حاصل ہو جاتا ہے۔

جین مت، بدھ مت اور ہندو مت بہت ساری باتوں میں مشترک ہیں، البتہ جین مت میں ترک خواہشات اور رہبانیت کیلئے بے انتہاء سختیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں جس کی وجہ سے یہ مذہب دنیا میں چل نہ سکا تاہم ہندوستان میں آج بھی جین مت کے بہت سے پیروکار موجود ہیں اور لاہور میں بھی ”جین مندر“ اس مذہب کے عبادت خانے اور یادگار کے طور پر موجود ہے۔

جین مت اور اسلام کا تقابلی جائزہ

گزشتہ صفحات میں ”جین مت“ کے متعلق جو باتیں ذکر کی گئی ہیں ان کی موجودگی میں اس کا اسلام کے ساتھ تقابل ایک مضحکہ خیز عمل معلوم ہوتا ہے تاہم قارئین کی آسانی کیلئے چند ایک باتیں یہاں بھی ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) جینی عقائد کے مطابق چونکہ کسی ذی روح کو تکلیف پہنچانا قطعاً منع ہے اس لئے اس مذہب کے پیروکار اکثر سر جھکا کر اور ہاتھ میں جھازو وغیرہ لیکر چلتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل غیر فطری ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی تکلیف دہ اور انسانی طاقات سے باہر بھی ہے اور اسلام روز اول سے یہ اعلان کرتا رہا ہے۔

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: ۲۸۶)

- (۲) جین مت میں کائنات رنگ و بو کو جو بخشنے والے خالق و مالک کا کوئی واضح تصور نہیں ملتا اور اسلام کی بنیادی تعلیم ہی معرفت خداوندی ہے۔
- (۳) جین مت نفس کشی، اذیت پسندی، فاقہ مستی اور رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اسلام ان کی تعلیم تو درکنار ان کی حوصلہ افزائی تک نہیں کرتا اور اس نے ہمیشہ ان چیزوں کی حوصلہ شکنی کی ہے۔
- (۴) جین مت ازدواجی زندگی کی نفی اور حوصلہ شکنی کرتا ہے جبکہ اسلام اسے ایمانی زندگی کا جزو لازم قرار دیتے ہوئے اس کی بھرپور سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

باب پنجم

﴿کنفیوشس و زرتشت ازم﴾

بانیان مذہب کے حالات زندگی، سیاسی اصول،
عقائد و نظریات، تعلیمات اور مقدس کتابیں،
اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب پنجم

﴿کنفیوشس﴾

اس مذہب کے متعلق کچھ لکھنے سے قبل یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ تقابل ادیان کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات نے یہاں ایک سوال اٹھایا ہے کہ کیا یہ واقعہ کوئی مذہب ہے؟ یا کوئی اصلاحی تحریک؟ بعض حضرات نے اسے بھی دیگر مذاہب کی طرح ایک مذہب شمار کیا ہے اور بعض حضرات کا اس پر اصرار ہے کہ یہ کوئی باقاعدہ مذہب نہیں، اس کی تعلیمات مذہبی نہیں اور اس کا بانی ایک ملحد تھا، اس کی مقدس تحریرات کو کبھی الہامی نہیں قرار دیا گیا تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ اس کے فلسفے نے عقائد کے باب میں کچھ ترقی حاصل کی ہے اور اپنے ماننے والوں پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں اس لئے اسے ایک اعتبار سے مذہب قرار دینا صحیح ہے۔

کنفیوشس ازم کا بانی

اس ”ازم“ کی نسبت اس کے بانی ہی کی طرف ہے اور اس کے بانی کا نام ”کنفیوشس“ ہے جو چین میں ایک بہت بڑا فلسفی گزرا ہے۔ اس کی پیدائش ۵۵۱ ق م میں چین کے ایک صوبے ”لو“ میں ”شولان“ کے گھر ہوئی۔ یہ جگہ اس وقت ”لیو یو“ کی سلطنت میں تھی، چین میں اس صوبے کا اب موجود نام ”شھاننگ“ ہے۔

اس کی پیدائش کے وقت اس کے والد کی عمر ستر برس کی تھی اور یہ بڑی دعاؤں کے بعد پیدا ہوا تھا لیکن ابھی اس کی عمر تین برس کی ہی تھی کہ یہ سایہ و شفقت پدری سے محروم ہو گیا اور اس کی تمام تر ذمہ داری بیوہ ماں کے نازک کندھوں پر آپڑی۔ اس مرحلے میں اس علاقے کے قبیلہ ”کنی“ کے ایک سردار نے اس کے ساتھ خاصا تعاون کیا اور اس کی پرورش میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کنفیوشس نے اپنے علاقائی ماحول کے مطابق شعرو شاعری، تاریخ دانی، موسیقی، شکار، ماہی گیری اور تیر اندازی وغیرہ فنون میں مہارت حاصل

کر لی۔

جب کنفیوشس اپنی عمر کی انیسویں منزل میں تھا تو اس کی ماں نے اس کی شادی کر دی جس سے اس کے یہاں ایک بیٹا بھی پیدا ہوا لیکن یہ شادی زیادہ دیر تک نہ چل سکی اور صرف چار سال بعد ہی اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیکر اپنی ازدواجی زندگی کا خاتمہ کر لیا اور اس کے بعد پھر کوئی شادی نہیں کی یہی وجہ ہے کہ اس کی بیوی بچوں کے بارے کوئی شہس معلومات مہیا نہیں ہو سکیں تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ موجودہ چینی قوم میں بہت سارے افراد آپ کو ایسے مل جائیں گے جو اپنے آپ کو کنفیوشس کے خاندان سے منسوب کرتے ہوئے دکھائی دیں گے۔

کنفیوشس کی عمر جب ۲۳ یا ۲۷ برس کی ہوئی تو اس کی ماں کا انتقال ہو گیا اور اس نے مکمل تین سال تک اپنی ماں کا سوگ منایا۔ اس سے پہلے وہ حکومت کے ”محکمہ مال“ میں ملازم تھا اور اپنا حسن کارکردگی اور خدمت خلق کے جذبے کی بنیاد پر عوام کے دلوں پر حکمرانی کیا کرتا تھا اور ایک سال کی قلیل مدت میں محکمہ زراعت اور جانوروں کے چرواہوں کا نگران بنا دیا گیا تھا۔

ملازمت کے ساتھ ساتھ کنفیوشس نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا اور لوگوں کو مختلف موضوعات کی تعلیم دینا شروع کر دی، کچھ عرصے کے بعد اس نے دارالخلافہ کی رہائش اختیار کر کے شاہی کتب خانے سے خوب استفادہ کیا۔ اس دوران اس کی ملاقات ”تاؤ ازیم“ کے بانی ”لاؤ زے“ سے ہوئی، دونوں نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا جس کا نفع انہیں بعد میں محسوس ہوتا رہا۔

کنفیوشس کا طریقہ تعلیم مشہور فلسفی سقراط کی طرح تھا اور وہ زبانی درس و تدریس پر عمل پیرا تھا، یاد رہے کہ سقراط خدا کا منکر اور بہت بڑا فلسفی گزرا ہے لیکن چونکہ اس کے ساتھ وحی الہی کی رہنمائی نہ تھی، اس لئے یہ زہر کا پیالہ پی کر مر گیا تھا۔ بہر حال! کنفیوشس کے درس و تدریس اور سلسلہء رشد و ہدایت کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کا اتنا چرچا ہوا کہ صوبہ ”ٹو“ کے وزیر اعظم نے مرض الموت میں اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ وہ کنفیوشس کے پاس جا کر اس سے تعلیم حاصل کرے، اس طرح کنفیوشس نے عمر کا ایک

حصہ صوبہ لو میں گزارا۔

اس وقت برسرِ اقتدار طبقہ تین خاندانوں میں منقسم تھا، اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان تینوں میں باہمی خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ یہ دیکھ کر کنفیوشس صوبہ لو کو چھوڑ کر صوبہ ”لئی“ میں منتقل ہو گیا اور کچھ عرصہ وہاں گزارنے کے بعد واپس ”لو“ آ گیا۔

جب کنفیوشس کی عمر اکیاون سال کی ہوئی تو اسے چین کے ایک علاقے ”چنگ لو“ کا قاضی مقرر کر دیا گیا جہاں اس نے اپنے فرائض منصبی بڑی سنجیدگی، ذمہ داری اور دیانتداری سے سرانجام دیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذکورہ علاقے میں ایک مثالی معاشرہ قائم ہو گیا جہاں انصاف کی فراوانی اور رشوت ستانی، ناجائز سفارشات اور ظلم و زیادتی کا خاتمہ ہو چکا تھا، بد اخلاقی اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی اور پورا علاقہ امن و امان کا گہوارہ بن گیا، جرائم کی شرح میں حیران کن کمی واقع ہوئی تھی، لوگوں نے اپنے گھروں کو تالا لگانا چھوڑ دیا تھا۔

کنفیوشس کی زندگی کے یہ لمحات اس کیلئے انتہائی اہم یادگار کی حیثیت رکھتے تھے اور وہ اس دوران اپنے خاص اصولوں کا بہت زیادہ پابند رہا لیکن وہ اس عہدے پر زیادہ دیر تک نہ رہ سکا اور اس کے حاسدین پیدا ہو گئے۔ خود بادشاہ اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے اتنا خائف ہوا کہ اسے اپنی حکومت خطرہ میں محسوس ہونے لگی چنانچہ اس کے تمام اختیارات سلب کر کے اسے ملک بدر کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ یہ ۵۶۱ ق م کا واقعہ ہے۔

اس کے بعد کنفیوشس در بدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا رہا، اس کے ساتھ اس کے کچھ شاگرد بھی تھے۔ بعض اوقات لوگ انہیں کچھ کھانے کیلئے دیدیتے تھے اور بعض اوقات انہیں لوگوں کے طعن و تشنیع سے بھرپور جملے سننے پڑتے تھے، ایک عرصے کے بعد جب ڈیوک گاؤ کی حکومت نے صوبہ لو پر قبضہ کر لیا تو اس نے ۴۸۳ ق م میں کنفیوشس کو واپس بلا لیا اور اس نے از سر نو اصلاحِ خلق، تعلیم و تربیت اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور ۴۷۸ ق م میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔

کنفیوشس کے مرنے کے بعد اس کے شاگردوں نے اس کا نہایت وسیع

پیانے پر سوگ منا یا بلکہ ایک شاگرد نے تو اس کی قبر کے ساتھ ایک جھونپڑی بنا کر کامل تین سال تک وہیں ذریعہ ڈالے رکھا۔

کنفیوشس کے سیاسی اصول

گزشتہ صفحات میں بد مذہب کی تعلیمات سے آپ پر یہ بات واضح ہوئی ہوگی کہ اس میں رہبانیت اور ترک دنیا کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، جبکہ کنفیوشس ازم میں اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، خود کنفیوشس نے سرکاری عہدوں کو قبول کیا اور کچھ سیاسی اصول بھی وضع کئے جنہیں ”حکمرانی کے پانچ اصول“ بھی کہا جاسکتا ہے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) بادشاہ اور سربراہ مملکت خود اپنے عمل سے عوام کیلئے ایک قابل تقلید اور مثالی نمونہ پیش کرے۔

(۲) چونکہ حکومت عوام کی حمایت کے بغیر برقرار نہیں رہ سکتی اس لئے حکمرانوں کو عوام کا اعتماد حاصل کرنا چاہئے۔ کنفیوشس کے نزدیک اعتماد حاصل کرنے کیلئے محبت کا ہونا ضروری ہے اور عوام کے دلوں میں حکمرانوں کی محبت اس وقت پیدا ہوگی جب حکمران عوام کی فلاح و بہبود کیلئے کام کریں گے۔

(۳) حکمران اور عوام دونوں کو اپنے اپنے فرائض خلوص کے ساتھ انجام دینے چاہئیں۔

(۴) عوام کے ساتھ ایسا سلوک کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے جس سے وہ حکمرانوں کو اپنے لئے ناپسند کریں اور ان کے دلوں میں حکمرانوں کی نفرت پیدا ہو۔

(۵) حکومتی عہدوں پر ایماندار اور دیانتدار افراد کو مقرر کیا جائے۔

آسانی کیلئے ہم ان پانچ اصولوں کو مندرجہ ذیل طریقے سے بھی یاد کر سکتے

ہیں۔

(۱) فیض رسانی

(۲) خوش اطواری

(۳) دیانتداری

(۴) عملی دانائی

(۵) خلوص

اصلاح معاشرہ کے اصول

کنفیوشس نے اصلاح معاشرہ کے جو اصول بیان کئے ہیں انہیں ”پانچ رابطوں“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۱) بادشاہ اور رعایا: حکمران اپنی رعایا کا خیال رکھیں اور رعایا اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرے۔

(۲) باپ اور بیٹا: والدین اولاد کی جسمانی نشوونما کی فکر کریں اور اولاد اپنے والدین کے احترام میں کوئی کمی نہ آنے دے۔

(۳) شوہر اور بیوی: شوہر اپنی بیوی کی ضروریات کا خیال رکھے اور بیوی اس کی فرمانبرداری میں کوشاں رہے۔

(۴) چھوٹا بھائی اور بڑا بھائی: اس سے مراد دینی اور مذہبی اخوت ہے۔

(۵) دوست اور دوست: ہر شخص اپنے دوست کی خوشی اور غمی میں برابر کا شریک رہے۔

کنفیوشس ازم کی چند اہم کتابیں

کنفیوشس نے خود اپنے دور میں کتابیں لکھیں یا نہیں؟ یہ سوال ابھی حل طلب ہے لیکن بادی النظر میں یہی بات سامنے آتی ہے کہ کنفیوشس بذات خود اس طرف کوئی توجہ نہ دے سکا اور بعد میں اس کے شاگردوں نے اس مذہب کی کتابیں تحریر کیں اور اس میں اتنی گرافت و زخمت انجام دیں کہ اس مذہب کو ”کتابوں کا مذہب“ کہا جانے لگا۔ ان میں سے چند مشہور کتابیں یہ ہیں۔

(۱) لُن

یہ چینی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے ”مجلس و دانش اور سمجھداری“۔ انگریزی میں یہ ”انٹیکس“ کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے کنفیوشس ازم کو سمجھنا

بہت آسان ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ کتاب کنفیوشس کی ان نصیحتوں کا مجموعہ ہے جنہیں جمع کرنے کا سہرا اس کے شاگردوں پر جتا ہے۔ اس کتاب میں زندگی کے اہم حقائق کو آسان اور عام فہم کہانیوں اور مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۲) تعلیم

یہ کتاب کنفیوشس کے پوتے ”نمز“ نے تحریر کی ہے جو کہ درحقیقت کنفیوشس کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔

(۳) علم عظیم

اسے انگریزی میں ”گریٹ لرننگ“ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور اس کتاب کی نسبت کنفیوشس کی طرف کی جاتی ہے۔

(۴) شو چنگ

بعض مصنفین نے اسے ”شوکنگ“ بھی لکھا ہے جس کی حیثیت ایک تاریخی کتاب کے طور پر مشہور و معروف ہے اور یہ کتاب کنفیوشس ادب کی ان تحریرات میں سے ہے جن کے بارے کہا جاتا ہے کہ وہ خود کنفیوشس کے دور میں لکھی گئیں۔ یاد رہے کہ اس تاریخی کتاب میں ۲۵۰ ق م سے ۱۰۰ ق م تک کے شاہی خاندانوں کی سوانح حیات اور مشہور تاریخی خطابات بھی شامل ہیں۔

(۵) شی چنگ

اس کتاب میں تاریخی واقعات کو شعرو شاعری اور نیتوں کی صورت میں جمع کیا گیا ہے۔

(۶) لی چی

اس کتاب میں مذہبی رسومات اور تہواروں کا ذکر موجود ہے، اوپر ذکر کردہ کتاب ”علم عظیم“ درحقیقت اسی کا ایک باب ہے جسے اس کی اہمیت کی بناء پر الگ کتاب

کی صورت میں شائع کیا گیا تھا۔

(۷) بی چنگ

کنفیوشس ادب کی سب سے زیادہ قدیم ترین کتاب بھی ہے اور اس میں زمانہ نابعد کے اٹھاباں اور پیش آنے والے واقعات و حوادث کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۸) پوں چن

بعض حضرات نے اسے کنفیوشس کی تحریر قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کتاب میں موسموں کے حالات خصوصاً موسم خزاں اور موسم بہار کی تاریخ کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۹) چونگ جونگ

اس کتاب میں کنفیوشس کے افکار و نظریات اور ان کے فلسفے کو واضح کیا گیا ہے۔

(۱۰) نظریہ اعتدال

یہ کتاب کنفیوشس کے فلسفے کو سمجھنے کیلئے ایک زینہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں کنفیوشس کے شاگردوں کے اقوال جمع کئے گئے ہیں۔

کنفیوشس ازم میں ان کتابوں کی اہمیت اور حیثیت جو بھی ہو، اتنی بات ضرور ہے کہ کنفیوشس ازم کے پیروکار کبھی بھی انہیں وحی الہی قرار نہیں دیتے اور خود کنفیوشس نے بھی اس بارے کبھی ایسا دعویٰ نہیں کیا، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہو کہ وہ اپنے آپ کو نبی یا رسول سمجھتا ہے بلکہ ایک مقام پر تو کنفیوشس کا یہ قول موجود ہے۔

”میں وہ نہیں ہوں جسے پیدائشی طور پر علم دیا گیا ہو، میں ماضی کے

حالات پر جتنے کا شوقین ہوں اور علم کو ماضی ہی میں تلاش کرتا ہوں“

یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ دنیا کا مشہور عجوبہ ”دیوار چین“ تعمیر کرنے والے بادشاہ ”ڈیوک“ کو اس مذہب سے سخت نفرت تھی اس لئے اس نے

برسر اقتدار آنے کے بعد اس مذہب کے 460 علماء کو زندہ درگور کر دیا اور اس مذہب کی تمام کتابوں کو نذر آتش کر دیا۔ یوں اس مذہب کا تحریری سرمایہ بالکل ختم ہو گیا اس کے بعد جب ”بن خاندان“ کی حکومت قائم ہوئی تو ان کتابوں کی دوبارہ اشاعت ممکن ہو سکی تاہم تاریخی طور پر موجودہ کنفیوشس ادب کو تغیرات اور تحریفات سے پاک قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جب کہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ کنفیوشس ادب کو نذر آتش کرنے کا یہ واقعہ کنفیوشس کے تقریباً اڑھائی سو سال بعد پیش آیا اور اس کا مرکزی کردار ”ڈیوک“ کی بجائے ”ستین شہ ہوانگ ٹی“ تھا جس کے حکم سے تین مہینے تک ان کتابوں کو نذر آتش کیا جاتا رہا، اس موقع پر کچھ لوگوں نے چند کتابیں دیواروں میں محفوظ کر لی تھیں، انہی کے ذریعے دوبارہ ان کتابوں کی اشاعت ممکن ہو سکی۔

کنفیوشس ازم کا ارتقاء

کنفیوشس کے زمانے میں سرکاری سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے عام خیال یہی تھا کہ بہت جلد یہ مذہب اپنی موت آپ مر جائیگا لیکن حقائق اس کے برعکس روپ دکھا کر سامنے آئے اور کنفیوشس کے مرنے کے بعد لوگوں کے دلوں میں اس کے نظریات و افکار نے اپنی جگہ بنانا شروع کی اور ان کی مقبولیت اتنی زیادہ ہوئی کہ کنفیوشس کے نظریات اور اصول ”زندگی کے رہنما اصول“ کی حیثیت سے متعارف ہونے لگے۔ کنفیوشس کی شخصیت اور اس کی تعلیم نے پورے چین پر اپنے گہرے اثرات مرتب کئے یہاں تک کہ کنفیوشس کو ”کامل اور اعظم“ کے معزز لقب سے یاد کیا جانے لگا اور سرکاری طور پر پہلی صدی عیسوی میں اسے ”ڈیوک ٹی“ کا خطاب دیا گیا اور ۱۹۱۱ء میں اسے ”کونجک“ کے خطاب سے نوازا گیا جس کا معنی ہے قدیم استاد۔

لوگوں کے ذہنوں میں کنفیوشس کا تقدس اتنا بڑھا کہ اس نے رفتہ رفتہ پرستش کی صورت اختیار کر لی، اس کا بت بنا کر مندروں میں پوجا شروع کر دی گئی اور اس کے نام کی قربانی دی جانے لگی اور یوں کنفیوشس ازم ایک فلسفے سے نکل کر مذہب کی حیثیت اختیار کر گیا، اس میں رسومات اور خرافات کی بہتات ہو گئی اور توہم پرستی نے اپنی جڑیں

مضبوط سے مضبوط تر کر لیں۔

کنفیوشس کے انتقال کو سو سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور اس کا مذہب بحران کا شکار تھا کہ اسی دوران کنفیوشس ازم میں ”شیس“ نامی ایک شخص مجدد کی حیثیت سے ابھرا، اس نے کنفیوشس کی اصل تعلیمات کو واضح اور نکھار کر لوگوں کے سامنے پیش کیا، تو حیدر اور انسان کی فطری نیکیوں کی تعلیم عام کی۔

﴿کنفیوشس کے سیاسی فلسفے کا خلاصہ﴾

کنفیوشس کی خواہش تھی کہ وہ اپنی پوری سلطنت اور پورے ملک کو درست کر دے اور اس مقصد کے حصول کیلئے وہ پہلے ریاستوں کو، ان سے پہلے معاشرے کے ہر فرد کو، اس سے پہلے دل و دماغ کو قابل اصلاح سمجھتا تھا، دل اور دماغ کی اصلاح کیلئے دو فروغ علم کا خواہاں تھا اور اس کیلئے کائناتی اشیاء کی تحقیق اور ان کے حقائق سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا۔

کیونکہ جب اشیاء کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے تو علم مکمل ہو جاتا ہے اور ہمیں علم سے دل و دماغ خلوص اور دیانتداری سے بھرپور ہو جاتے ہیں اور برے خیالات رخصت ہو جاتے ہیں، جب انسان کے خیالات درست ہو جائیں تو وہ انسان درست ہو جاتا ہے اور ایک انسان کی درستی پورے خاندان کی اور وہ پوری ریاست کی اور وہ پوری سلطنت کی اصلاح کی ضامن ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جو ملک بھی اس فلسفے کو اختیار کرے گا وہ ترقی کی منازل ضرور طے کرے گا۔

﴿کنفیوشس ازم اور اسلام کا تقابلی جائزہ﴾

(۱) خدائے واحد کا تصور

مگر کہ کنفیوشس ازم میں ایک ”ہستی اعلیٰ“ کا تصور پایا جاتا ہے لیکن اسے ہمیں

بھی ”خدا“ کا لفظ نہیں دیا گیا تاہم اس مفہوم کے قریب قریب ایک لفظ کا سراغ ملتا ہے جس کا ترجمہ ”حاکم مطلق“ سے کیا جاتا ہے اور وہ ہے ”شکستنی“ اس کے ساتھ ایک اور لفظ ”ٹی یں“ بھی استعمال ہوتا ہے جس کا معنی ”آسمان“ ہے کنفیوشس ازم میں انہی کی اطاعت پر زور دیا جاتا ہے اور کنفیوشس ازم میں یہ محاورہ عام طور پر استعمال ہوتا ہے کہ آسمان کو عطیات ملے، آسمان کی فطرت ہے، فطرت کے مطابق چلنے کا نام ”راستہ“ ہے، اس راستے کے قوانین کو کنفیوشس ”اصول تعلیم“ کا نام دیتا ہے۔

کنفیوشس کے مطابق فطرت کے مطالبات ”خدائی احکام“ کے مترادف ہیں اس لئے جو شخص احکام فطرت کی خلاف ورزی کرتا ہے درحقیقت وہ شکستنی (حاکم مطلق) کے خلاف بغاوت کا مرتکب ہوتا ہے۔ کنفیوشس کی آمد سے قبل چین کے لوگ بت پرستی کے مرض میں مبتلا تھے اور ردوئوں کے پجاری تھے اس کے مرنے کے بعد ان میں یہ چیزیں پھر نمود کر آئیں اور وہ پھر انہی امراض میں مبتلا ہو گئے۔

اس کے برعکس اسلام ہمیں صرف ایک اللہ کی پرستش اور عبادت کرنے کا حکم دیتا ہے جس کی حیثیت محض حاکم مطلق کی نہیں بلکہ ایک ایسی ذات کی ہے جو مجموعہ الصفات اور ہر قسم کے عیوب سے مبرا و منزہ ہے۔ اسلام میں معبود برحق کا تصور بہت واضح ہے جبکہ کنفیوشس ازم اس کے متعلق ایک غیر واضح اور مبہم تصور رکھتا ہے۔

(۲) حیات بعد الموت

جیسا کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ کنفیوشس کی آمد سے قبل چین میں بت پرستی کا رواج تھا بلکہ خود کنفیوشس کے دور میں بھی بت پرستی ہوتی رہی تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ کنفیوشس نے واضح طور پر روح کو کہیں بھی ”غیر فانی“ نہیں قرار دیا، اس کے ساتھ ساتھ اس کی تعلیمات میں جزا و سزا کا بھی کوئی واضح اور غیر مبہم تصور نہیں ملتا چنانچہ تاریخی طور پر اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ایک مرتبہ کنفیوشس سے کسی نے سوال کیا کہ ہم جن مردوں کی پوجا کرتے ہیں کیا انہیں اس کا علم ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے اس نے کہا۔

”اگر میں ”ہاں“ میں جواب دوں تو لوگ اپنے آپ کو آبدار اجداد کی آخری

رسومات ادا کرنے میں خود کو تباہ کر دیں گے (کیونکہ جب انہیں پتہ ہوگا کہ مردے جانتے بوجھتے ہیں تو وہ اس چیز کو مد نظر رکھ کر اس کی رسومات مرگ کی ادائیگی کریں گے) اور اگر میں ”نفی“ میں جواب دوں تو (اندیشہ ہے کہ) نالائق بننے میں ت کو بے نور و کفن چھوڑ دیں گے اس لئے تم یہ بات معلوم کرنے کی کوشش ہی نہ کرو۔“

اس سے کنفیوشس ازم کی تنگ دامنی کا ثبوت ملتا ہے اور یہ بات بھی واضح ہوئی ہے کہ وہ بعث بعد الموت یا بعد الطبیعیات کا قائل نہ تھا ورنہ اس کا جواب اس سے مختلف ہوتا، اس کے برعکس اسلام میں نہ صرف یہ کہ بعث الموت کا تصور موجود ہے بلکہ اسے ”باب عقائد“ میں انتہائی اہمیت حاصل ہے اور اسلام کے تین اساسی عقائد میں سے ایک عقیدہ آخرت بھی ہے جو حیات بعد الموت کا دوسرا نام ہے۔

(۳) تخلیق کائنات

”تخلیق کائنات“ کے عنوان میں کنفیوشس کیسے کوئی دلچسپی نہ تھی کیونکہ اس کا تعلق زمانہ ماضی سے ہے اور کنفیوشس زمانہ حال میں غور و فکر کا داعی تھا، وہ ماضی اور مستقبل کے چکروں میں پڑ کر اپنی زندگی خراب نہیں کرنا چاہتا تھا، اس کی تمام تر توجہات کا مرکز و محور صرف موجودہ زندگی تھی جبکہ اسلام نے تخلیق کائنات کی مکمل حقیقت کو واضح کیا۔ ماضی، حال اور استقبل میں تینوں کے احکام بیان کئے اور اس بات کا درس دیا کہ اپنے ماضی کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے۔

(۴) عالمگیریت

کنفیوشس ازم میں اس بات کی صلاحیت ہرگز نہیں کہ وہ پوری دنیا میں بسنے والے ہر انسان کی دینی اور مذہبی ضروریات کیلئے کافی ہو سکے اور نہ ہی اس نے یہ دعویٰ کیا جبکہ اسلام نہ صرف یہ کہ عالمگیریت کا دعویٰ کرتا ہے بلکہ اس کا عملی ثبوت بھی پیش کرتا ہے۔

(۵) حفاظت

کنفیوشس ازم پر کئی مرتبہ دور ابتلاء آیا اور اس کا مذہبی و تاریخی ورثہ کئی مرتبہ شکست و ریخت کا شکار ہوا جس کی بناء پر اب یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کی تعلیمات صحیح انداز میں موجود ہیں۔ جبکہ اسلام کی مقدس تعلیمات کیلئے جس کتب کا انتخاب کیا گیا اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود رب الارباب نے اٹھایا اس لئے اس کی ایک ایک چیز کے صحیح ہونے کی حلفیہ ضمانت دی جاسکتی ہے۔

(۶) سوچ اور فکر کا زاویہ

کنفیوشس ازم حکمرانی اور چہانبانی کے اصول وضع کرتا ہے اور اس میں اخلاقیات کو بھی زیر بحث لاتا ہے جس کا بنیادی مقصد ”عوام کو خوش کرنا اور خوش رکھنا“ ہوتا ہے جبکہ اسلام ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اپنے ہر عمل کے ذریعے ”اللہ کو خوش کرنے اور خوش رکھنے“ کے بنانے ڈھونڈنے چاہئیں۔ اس کی رضا میں سب کی رضا ہے اور اس کی ناراضگی میں سب کی ناراضگی ہے، کہنے کو بظاہر یہ ایک معمولی سی بات ہے لیکن انسان کے زاویہ فکر کی مکمل طور پر غماز ہے اور اس کی دینی ساخت کو بالکل واضح کر دینے والی چیز ہے کہ اس کی سوچ کتنی محدود یا وسیع ہے۔

(۷) حلال و حرام

کنفیوشس ازم کی تعلیمات میں یہ بات بھی موجود ہے کہ انسان دیانتداری سے جو مال کمائے وہ حلال ہے اور بددیانتی یا جرائم کی مدد سے کمایا جانے والا مال حرام ہے خواہ بذات خود وہ حلال ہی ہو، اس اعتبار سے دنیا کی ہر حرام چیز کو حلال اور حلال کو حرام کیا جاسکتا ہے لیکن اسلام نے حلال و حرام کا اختیار بندوں کے ہاتھ میں نہیں دیا بلکہ یہ اختیار اس ذات کے پاس ہے جسے ہم ”اللہ“ کہتے ہیں۔

﴿زرتشت ازم﴾

زرتشت کو عام طور پر زردشت بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ ایک مذہب کے طور پر اس کا وجود ایران، آذربائیجان اور اس کے ارد گرد کی ریاستوں میں ہے، یاد رہے کہ ایران کا پرانا نام ”پارس“ ہے جو عربی میں آکر ”فارس“ ہو گیا، یہاں کی ترین کو ”فارسی“ کہا جاتا ہے جس کا انگریزی ترجمہ ”پرشین“ ہے، ”بھوی“ بول کر یہی مذہب مراد لیا جانا شائع ذائع ہے۔

یہاں یہ بات ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ منفیو شس ازم جس طرح اپنے بانی کی طرف منسوب ہے اسی طرح اس مذہب کی نسبت بھی اس کے بانی کی طرف ہے اور ”زرتشت“ اس مذہب کے بانی کا نام ہے۔ اس کے حالات زندگی بیان کرنے سے قبل ہمیں اس کی آمد سے پہلے ایران اور اس کے قرب و جوار کے مذہبی حالات معلوم کرنے چاہئیں تاکہ اس مذہب کی وجہ تخلیق بھی واضح ہو جائے۔

زرتشت کی آمد سے قبل

زرتشت کے آنے سے پہلے ایران اور اس کے قرب و جوار میں بت پرستی اور مظاہر پرستی عام تھی، اہل ایران کا چونکہ موروثی پیشہ زراعت تھا اور سورج، ہوا، پانی، آگ اور درختوں کا ان میں بنیادی عمل دخل تھا اس لئے وہ ان کی پوجا بھی کرتے تھے خاص طور پر بومہ اور پھل کے درخت ان کی پرستش کا محور ہوتے تھے۔

اپنے بزرگوں کی پرستش اور پوجا کرنا بھی ان کی دینیات کا حصہ تھا جس کے لئے وہ ان کی مورتیاں تراش کر تے تھے، اسی طرح مختلف قسم کی رسومات اور جادو منتر کا بہت چرچا تھا، ان لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھی ہوئی تھی کہ جادو منتر کے ذریعے ہم اپنی خواہشات کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔

مذکورہ تفصیلات کے مطابق اہل ایران کے دیوتاؤں کے نام یہ تھے۔ خورشید (سورج)، مہ (چاند)، آتش (آگ)، آب، (پانی)، باد (ہوا)

زرتشت کی مختصر سوانح عمری

زرتشت کی تاریخ پیدائش میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے تاہم رائج روایات کے مطابق زرتشت ۶۱۰ ق م میں پیدا ہوا اور ۵۸۳ ق م میں انتقال کر گئے۔ اس اعتبار سے زرتشت کی کل عمر ۲۷ سال قرار پاتی ہے لیکن راقم الحروف کا احساس یہ ہے کہ ان تاریخوں کو رائج قرار دینے والے مؤرخین شدید غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں اور ان کی اس رائے سے اتفاق کرنا مشکل ہے کیونکہ پروفیسریوں مور کے بیان کے مطابق انتقال کے وقت زرتشت کی عمر ۷۷ سال تھی اور وہ اس وقت بڑھاپے کی منزل کو طے کر رہا تھا اس اعتبار سے زرتشت کا سن وفات ۵۲۳ ق م بنتا ہے اور اس کے صحیح ہونے کا قرینہ یہ بھی ہے کہ پروفیسر لیاقت علی عظیمی نے لکھا ہے کہ زرتشت نے اپنے مذہب کی اشاعت میں ۳۷ سال صرف کئے، بخدا جس شخص کی کل عمر ۲۷ سال ہو وہ ۳۷ سال اشاعت مذہب میں کیسے صرف کر سکتا ہے؟ اس لئے اگر زرتشت کا سن پیدائش ۶۱۰ ق م ہے تو سن وفات یقینی طور پر ۵۲۳ ق م بنتا ہے۔

زرتشت کی پیدائش سوہ آذربائیجان میں ہوئی، اس کے والد کا نام ”پورشسپ اسلمینا“ تھا اور والدہ کا نام بعض تواریخ میں ”وگندہ“ اور بعض میں ”اسان“ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا بچپن تاریخ کے معتبر صفحات سے بالکل غائب ہے البتہ بعض مؤرخین نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ زرتشت کی پیدائش کے وقت ایران کے بڑے بڑے کاہن تخت پریشان ہوئے اور اسے قتل کرنے کی تدابیر سوچنے لگے چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے زرتشت کو جلتی ہوئی آگ میں پھینک دیا لیکن آگ نے اس پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ آگ میں کھینٹا رہا۔

اس کے بعد اسے جانوروں کے پاؤں سے روندنے کی کوشش کی گئی تو ایک گائے اسے چھپا کر کھڑی ہو گئی تا آنکہ سارے جانور گزر گئے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ اسے بھیڑیوں کے غار میں اکیلا چھوڑ دیا گیا تو آسمان سے دو فرشتے نیکریوں کی صورت میں اسے دودھ پلانے کیلئے نمودار ہوئے۔

یہاں طغیانیٹ گزر جانے کے بعد جب زرتشت نے عہد شباب میں قدم رکھا تو

اپنے علاقے کے ایک بڑے حکیم و دانش مند ”یوزاگززا“ سے تعلیم حاصل کی اور ایک سال کے مختصر عرصے میں مختلف علوم و فنون مثلاً مذہب، زراعت، گلہ بانی اور جراحی وغیرہ سیکھ لئے لیکن ان چیزوں کی طرف اس کی توجہ بہت کم اور خدمت خلق کی طرف بہت زیادہ رہی جبکہ اس کے والدین کی خواہش تھی کہ زرتشت بھی گلہ بانی کا پیشہ اختیار کرے۔

زرتشت کو خدمت خلق کے دوران یہ خیال آیا کہ انسان پر جو مصیبتیں آتی ہیں اور طرح طرح کی مشکلات کا اسے سامنا کرنا پڑتا ہے آخر یہ کہاں سے آتی ہیں؟ اس سوال نے زرتشت کے ذہن میں اتنی جگہ پکڑی کہ وہ ہر چیز کو چھوڑ کر اس کا جواب سوچنے کیلئے ”سیالان“ کی پہاڑیوں میں جا کر رہنے لگا اور کئی سال تک اس پر غور و فکر کرتا رہا لیکن کچھ سمجھ نہ آیا۔

آخر کار ایک دن مایوس ہو کر زرتشت نے اس پہاڑی علاقے کو چھوڑنے کا ارادہ کر لیا، اتفاق کی بات ہے کہ جس وقت وہ اس پہاڑی علاقے کو چھوڑ رہا تھا اس وقت غروب آفتاب کا منظر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا اور وہ اپنی آنکھوں سے اسے دوسرے ہوئے دیکھ رہا تھا اسیثناء میں اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا اور وہ خوشی سے پھولے نہ سہیا کہ آخر کار اس کی محنت رنگ لائی اور وہ جس سوال کا جواب چاہتا تھا اسے دہا گیا۔

اب زرتشت کو یقین ہو گیا کہ جانوں کا یہ دعویٰ کہ ”ہم جادو کے ذریعے لوگوں کو مصیبت میں مبتلا کر سکتے ہیں“ نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ خلاف حقیقت بھی ہے، اس کے ساتھ ساتھ زرتشت نے یہ اعتقاد بھی پختہ کر لیا کہ خدائے خیر، خیر پیدا کرتا ہے اور خدائے شر، شر کو پیدا کرتا ہے گویا خیر کا خالق کوئی اور ہے اور شر کا خالق کوئی اور۔

خدائے خیر اور خدائے شر کی تفریق کرنے کے بعد زرتشت نے ان دونوں کے الگ الگ نام رکھے چنانچہ خدائے خیر کو اس نے ”احورا، ژدا“ کے نام سے موسوم کیا اور خدائے شر کو ”اینگرد، مینو“ کا نام دیا، زرتشت خدائے خیر کی عبادت کرتا تھا اور اینگرمینو کو شیطان تصور کرتا تھا۔

ایران میں اس وقت بحیثیت حروج پر تھی اور مظاہر پرستی عام تھی، زرتشت نے لوگوں کو مظاہر پرستی، آتش پرستی اور مرد پرستی سے نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن عوام نے

ہلوں اور ذہنوں میں یہ چیزیں اتنی رائج ہو چکی تھیں کہ انہوں نے زرتشت کی باتوں کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔

آخر کار زرتشت کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ عوام میں اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے کی بجائے حکمران وقت کو سمجھانا چاہئے تاکہ اس کی سرپرستی میں تبلیغ کی جاسکے چنانچہ وہ ”خسرو بادشاہ“ کے محل میں پہنچا لیکن دربانوں نے اسے اجنبی سمجھ کر محل سے اندر جانے کی اجازت نہ دی، زرتشت نے دربانوں کو مرعوب کرنے کیلئے اپنے ہاتھ میں جلا ہوا انگارہ دکھ لیا یہ دیکھ کر دربان خوفزدہ ہو گئے اور اسے اندر جانے کی اجازت دیدی۔

زرتشت نے دربار میں پہنچ کر سرکاری عہدہ سے مناظرہ کیا اور انہیں الجواب کر دیا جس سے متاثر ہو کر ان سب نے زرتشت کا پیغام قبول کر لیا، حاسدین کو زرتشت کی یہ کامیابی ایک آنکھ نہ بھائی اور انہوں نے اس کے خلاف سازشیں کر کے اسے جیل میں ڈالوا دیا۔

اتفاق کی بات ہے کہ انہی دنوں میں بادشاہ کا ایک عزیز گھوڑا بیمار ہو گیا، بادشاہ نے اس کا بہت علاج کروایا لیکن کسی سے اتفاق نہ ہوا کہ اور تمام معالجین اس کے علاج سے نکل آ گئے، زرتشت کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے بادشاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں اس کا علاج کر سکتا ہوں لیکن اس کیلئے میری ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ بادشاہ میرا مذہب قبول کر لے، بادشاہ نے حامی بھری اور زرتشت کے علاج سے بادشاہ کا بیمار گھوڑا تندرست ہو گیا اور بادشاہ اپنے وعدے کے مطابق زرتشت مذہب میں داخل ہو گیا، یوں یہ مذہب ”سرکاری“ بن گیا اور دور دور تک پھیلتا چلا گیا، اسی اثنا میں توران اور ایران کے مابین جنگ چھڑ گئی اور ایک تورانی نے موقع پا کر زرتشت کو قتل کر دیا۔

فائدہ

یہیں یہ بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ پروفیسر لیاقت علی عظیم نے اپنی کتاب ”مذہب کا تقابلی مطالعہ“ کے ص ۲۰۹ پر پارسوں کے حوالے سے ”زرتشت“ کیلئے سفر

معراج کا ذکر کیا ہے اور اس کی جو تفصیلات تحریر کی ہیں ان میں اور حضور ﷺ کے سفر معراج کی تفصیلات میں سرسوم بھی تفاوت نہیں اور ہمارا اس پر یقین ہے کہ حضور ﷺ کو بارگاہِ خداوندی سے اس شرف سے مشرف فرمانے کیلئے کائنات رنگ و بو میں سے فرد واحد کے طور پر منتخب کیا گیا تھا، آپ سے پہلے کوئی یہ شرف حاصل نہ کر سکا اور نہ آئندہ کسی کو مل سکے گا اس لئے پارسیوں اور زرتشتیوں کا یہ عقیدہ بالکل لغو اور حقائق کی دنیا سے انتہائی دور ہے۔

﴿زرتشت کے عقائد﴾

زرتشت کے عقائد پر روشنی ڈالنے سے قبل اس بات کا سمجھ لینا بہت ضروری ہے کہ زرتشتیت اور مجوسیت ابتداءً دو الگ الگ چیزیں تھیں کیونکہ زرتشت کا درود بعد میں ہوا جبکہ مجوسیت اس سے بہت پہلے ایران میں بالخصوص اپنے عروج پر تھی۔ بعد میں یہ دونوں ایک دوسرے میں ایسے گٹھنڈ ہوئے کہ اب جب بھی ”زرتشت ازم“ کا تذکرہ آتا ہے تو عوام کے ذہن میں فوراً مجوسیت کا تاثر ابھرتا ہے، اس مختصر تمہید کے بعد اب زرتشت کے عقائد ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) عقیدہ توحید

ماہرینِ تقابلی ادیان نے لکھا ہے کہ دیکھا جائے تو ایک اعتبار سے زرتشت پکا موجد تھا، چنانچہ اس کی کتابوں میں اس کا یہ قول ملتا ہے۔

”تو ہی خدا ہے یہ میں جانتا ہوں، اے قادر مطلق!
تو ہی اول تھا جب زندگی نے جنم لیا۔“

(۲) عقیدہ صفاتِ خداوندی

زرتشت کے عقیدہ توحید کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کی ہیں وہ اسلامی تعلیمات سے ہرگز متصادم نہیں چنانچہ زرتشت کا یہ قول بھی منقول ہے۔

”خدا ایک ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں، وہ آغاز و انجام، شریک،

دشمن، دوست، ماں، بیوی، اولاد، جگہ، جسم اور رنگ ویلو کے بغیر ہے، اسے آنکھیں پالکتی ہیں اور نہ خیال کی گرفت میں لایا جاسکتا ہے اس کی ہر صفت برتر ہے، وہ غیر فانی ہے، عقل کل ہے، وہ تمام زمین کی نعمتوں کا مالک ہے، وہ حقیقت اعلیٰ ہے۔“

(۳) ملائکہ سے متعلق عقیدہ

زرتشت کے نزدیک ملائکہ وہ خارجی ہستیاں ہیں جو ہماری روحانی اور جسمانی نشوونما اور تربیت کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور وہ خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطے کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

(۴) عقیدہ بہشت و نار

زرتشت کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کا قائل تھا چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

”جب نیک آدمی جسم کو چھوڑتا ہے تو وہ بہشت میں پہنچ جاتا ہے اور خدا بہشتیوں کو جسم عطا کرے گا، نہ تو وہ ریزہ ریزہ ہوگا اور نہ وہ پرانا ہوگا اور نہ اس میں گند پیدا ہوگا۔“

اسی طرح ایک جگہ وہ دوزخ کے متعلق لکھتا ہے۔

”ان کی برائیاں انہیں آگ کی صورت میں جلائیں گی، نیز ٹھنڈی ہوائیں، برف، سانپ، بچھو اور دوسرے موذی جانور اسے عذاب دیں گے۔“

(۵) عقیدہ رسالت

زرتشت نے اپنی تحریرات میں پیغمبروں سے متعلق یہ تحریر چھوڑی ہے۔

”پیغمبر اس لئے ہونے چاہئیں کہ جس طرح لوگوں کو زندگی کے کاروبار میں ایک دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح لوگوں کو

شریعت مرتب کرنے والوں کی بھی ضرورت ہے جنہیں سب لوگ مانیں، آپس میں ظلم نہ کریں اور کسی کو جھوٹے نہ دیں، اور دنیا کا نظام درست رہے اور یہ پیغمبر ”خدا“ کی طرف سے ہونے چاہئیں تاکہ عام لوگ انہیں قبول کر لیں۔“

(۶) عقیدہ تخلیق کائنات

زرتشت کے مطابق تخلیق کائنات چھ ادوار میں ہوئی اور خدا نے ترتیب وار آسمان، زمین، پانی، نباتات، حیوانات اور آخر میں انسان کو پیدا کیا۔ اسی طرح زرتشت نے یہ بھی لکھا ہے کہ تمام نسل انسانی کو ایک ہی جوڑے سے پیدا کیا گیا ہے جس کا نام ”مشیہ اور مشیات“ تھا یعنی مذکر اور مؤنث۔

(۷) تصور مذہب

زرتشت ازم کی تعلیمات کے مطابق انسانی میت ناپاک ہے اس لئے پاک زمین میں مڑے کو دفن کر کے اسے ناپاک نہیں کرنا چاہئے۔

﴿زرتشت کے مذہب میں اخلاقی اصول﴾

زرتشت ازم میں اخلاقی اصولوں پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے جن میں سے چند ایک یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

- (۱) انسان کے خیالات پاکیزہ ہونے چاہئیں اس لئے کہ اگر انسان کے خیالات درست اور پاکیزہ ہو جائیں تو اس کے اعمال بھی درست ہو جائیں گے (گویا اعمال کی درستگی کا مدار خیالات کی اصلاح پر ہے)
- (۲) زرتشت کی تعلیمات میں ”سچائی“ کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔
- (۳) قول و فعل میں مطابقت انسان کی بلند کرداری کی علامت ہے۔
- (۴) جسمانی صفائی پر بھی توجہ دینا ضروری ہے۔
- (۵) زرتشت نے یہ بھی کہا ہے کہ جو شخص بالدار ہو اسے دوسروں کی مدد کرنی چاہئے

لیکن اس کے ساتھ ساتھ تواضع اور انکساری کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

(۶) زرتشت ازم کے علاوہ کسی اور مذہب سے تعلق رکھنے والے شخص کی امداد سے نہیں روکا گیا بلکہ اس کا بجا طور پر حکم دیا گیا ہے۔

(۷) زرتشت رہبانیت کا شدید مخالف تھا اور شادی کو انتہائی ضروری قرار دیتا تھا، خود اس نے اپنی ساری زندگی کھیتی باڑی میں گزار دی اور اپنے ہاتھ سے محنت کی کمائی کرنا اور اپنے استعمال میں لانا باعث فضیلت گردانا اور ریا، نام و نمود اور دکھلاوے کے کاموں کو معیوب قرار دیا۔

﴿نوجوان نسل کیلئے زرتشت کی خصوصی تعلیم﴾

زرتشت کی خواہش تھی کہ جب کسی نوجوان کی عمر پندرہ برس کی ہو جائے تو وہ مندرجہ ذیل امور کی نہایت اہتمام کے ساتھ پابندی کرے۔

- (۱) عقائد اور اعمال کی پاکیزگی۔
- (۲) مذہبی رسوم کی پابندی۔
- (۳) بادشاہ جیسی عظمتی اور منصف مزاجی۔
- (۴) صداقت اور دیانتداری کا اہتمام۔
- (۵) برائی کے خاتمہ کیلئے صف اول میں موجودگی۔
- (۶) کھیتی باڑی اور بل جوتے میں سرگرمی کا مظاہرہ۔
- (۷) معلومات میں اضافہ کی کوشش۔
- (۸) خواہشات پر قابو۔
- (۹) کسی بھی کام کو شروع کرنے سے پہلے اس کے فوائد اور نقصانات کا جائزہ۔
- (۱۰) لائیلی اور جہالت سے سرزد ہو جانے والی غلطی کی فوری تلافی۔

فرائض دینیہ

زرتشت ازم میں مندرجہ ذیل چیزوں کو دینی واجبات اور فرائض میں سے سمجھا جاتا ہے۔

(۱) والدین، استاذ، مرشد یا کسی بھی نیک انسان کی صورت میں اچھی زندگی گزارنا۔

(۲) شیطانیت سے دور رہتے ہوئے گناہوں سے توبہ کرتے رہنا۔

(۳) بزرگوں اور بڑوں کا احترام کرنا۔

(۴) ذلت اور بدنامی سے اپنے آپ کو بچانا۔

(۵) چھڑی سے اپنے شاگرد کو مارنے سے گریزاں رہنا۔

(۶) استاذ کے پڑھائے ہوئے سبق کو دوسروں تک پہنچانا۔

(۷) جزا و سزا کا قانون ہاتھ میں لینے کی بجائے حکومت کے حوالے کرنا۔

(۸) نیکی کیلئے اپنے گھر کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھنا۔

﴿زرتشت ازم میں مثنویت (دو خدا) کا تصور﴾

زرتشت کی بنیادی تعلیمات پر انتہائی غور و خوض کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ زرتشت خود ایک موجد آدمی تھا اور اس کے نزدیک اصل معبود ایک ہی ہے، البتہ شر و برائی کو ایک دوسری طاقت نے پیدا کیا ہے جسے ہمارے یہاں ”شیطان“ سے تعبیر کیا جاتا ہے، لوگ یہ سمجھ کر وہ دو خداؤں کا قائل تھا (اہورا ماٹروا اور اینگر دینو) حالانکہ وہ شیطان کو خدا نہیں سمجھتا تھا بلکہ اسے برائی پر ابھارنے والا قرار دیتا تھا کیونکہ شیطان تو خود ”اللہ“ کو اپنا خالق بھی مانتا ہے اور ”رب“ بھی۔

چنانچہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق ان الفاظ میں تسلیم کیا تھا:

﴿خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ﴾ (الاعراف: ۱۲)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

﴿وَرَبِّ لَنَنْظُرَنَّهُ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ (الحجر: ۳۶)

گوکہ زرتشت کی ایک کتاب ”گاتھا“ میں اینگر دینو (جس کا ترجمہ ہے ناراض

اور غصیلہ جبکہ اہوراماثر کا معنی ہے بہت زیادہ جاننے والا) کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن اس میں بھی پرستش اور عبادت کا حکم صرف خدائے خیر کیلئے دیا گیا ہے تاہم زرتشت کے کچھ ہی عرصہ بعد اینگر دینو کیلئے معادین کے طور پر کچھ دیوتاؤں کو منتخب کیا گیا اور یہ سلسلہ یہاں تک بڑھا کہ انسان کو غفلت میں مبتلا کرنے والی خوبصورت اور دیدہ زیب عمارات کو بھی اینگر دینو کا نمائندہ قرار دیا گیا بلکہ زرتشت ازم کے ماننے والوں نے تو یہ بھی لکھ ڈالا کہ اینگر دینو صرف شر ہی نہیں پیدا کرتا بلکہ اہوراماثر کی پیدا کردہ اچھائیوں کو بھی ختم کر دیتا ہے۔

مندرجہ بالا گفتگو سے اندازہ ہوا کہ زرتشت ازم میں اصلاً تو محویت کا عقیدہ نہ تھا لیکن بعد میں آنے والے حالات و واقعات نے محویت کو اس مذہب کا ایک لازمی حصہ قرار دیدیا، اور اب زرتشت ازم کے پیروکار وہ خداؤں کے وجود کے قائل ہیں۔

﴿زرتشت ازم کی مذہبی و مقدس کتابیں﴾

تاریخی روایات کے مطابق زرتشت ازم کی کتابیں ایک طویل عرصے تک صفحہ ہستی سے غائب رہیں، بعد میں اس مذہب کی تعلیمات پر مشتمل کتابیں تحریر کی گئیں، بنا بریں مؤرخین اور محققین یہ بات طے نہیں کر سکے کہ موجودہ کتابوں میں کہاں کہاں تحریف اور تبدیلیاں ہوئی ہیں تاہم اتنی بات یقینی ہے کہ موجودہ کتابوں میں جہاں کہیں شرک، بت پرستی، آتش پرستی، محویت اور دیوی دیوتاؤں کی پرستش کا ذکر ہے، ایسی تمام باتیں زرتشت مذہب کی کتابوں میں فارسی اور مجوسی لوگوں کا اضافہ ہے اور یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ مجوسیوں نے اپنے مقاصد مخصوصہ کی بناء پر بہت سے توہمات کو زرتشت مذہب میں جگہ دی اور ہندوؤں کی طرح دیوی اور دیوتاؤں کے قصوں کو اپنی مقدس کتابوں میں شامل کر لیا جس کی وجہ سے زرتشت ازم اپنی اصلیت کھو بیٹھا، بہر حال! زرتشت مذہب کی مقدس کتابیں درج ذیل ہیں۔

(۱) دساتیر (خورد)

(۲) دساتیر (کلاں)

(۳) اوستا (خورد)

(۴) اوستا (کلاں)

ان میں سے ”اوستا“ کو مذہبی طور پر سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، بنیادی طور پر اس کے پانچ حصے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) پاستا

اس حصے میں قربانی کی دعائیں اور تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

(۲) گاتھا

اس حصے میں مذہبی معلومات کو قصائد کی صورت میں بیان کیا گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ حصہ زرتشت کی خود اپنی تصنیف ہے اسی وجہ سے اس میں شریک باتوں کا اضافہ نہیں ہو سکا اس کے برخلاف دوسرے حصوں میں دیوی اور دیوتاؤں کی تعریفات کے طومار بھرے پڑے ہیں۔

(۳) وسپرڈ

یہ حصہ خدا کی حمد و ثناء پر مشتمل ہے۔

(۴) وندیداد

اس حصے میں شیطانی اور خبیث روحوں سے مقابلہ کرنے کی تدابیر بیان کی گئی ہیں۔

(۵) ایشت

یہ حصہ ۲۱ بھجوں پر مشتمل ہے جس میں ملائکہ اور قدیم ایرانی سوراؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔

زرتشت ازم کی اس مذہبی کتاب کو ساسانی بادشاہ ”شاہ پور دوم“ کی زیر نگرانی چوتھی صدی عیسوی میں پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا لیکن یہ بھی زمانے کی دستبرد سے محفوظ اور بعد میں ہونے والے اضافہ جات سے ماسون نہ رہ سکی اور زمانہ مابعد میں آنے والے مصنفین نے اس پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔

﴿زرتشت، مجوس اور اسلام کا تقابلی جائزہ﴾

اس موقع پر یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ عوام کے ذہنوں میں چونکہ زرتشت اور مجوس ایک ہی مذہب کے دو مترادف نام ہیں اس لئے وہ ان میں تقابل کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے، بنا بریں ہم اس بات کی توضیح کرنا چاہتے ہیں کہ زرتشتی تعلیمات اور مجوسیت کبھی جمع نہیں ہو سکتے، اس کیلئے ذیل کی سطریں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) عقیدہ توحید

یہ بات گزشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی ہے کہ زرتشت کی بنیادی تعلیمات توحید کے عنصر سے خالی نہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ خیر اور شر کا موجب الگ الگ ہستیوں کو قرار دیتا ہے دوسری طرف مجوس کے یہاں ”توحید“ کا کوئی پہلو موجود ہی نہیں، بنیادی طور پر وہ دو خداؤں کے قائل لیکن درحقیقت وہ بے شمار دیویوں اور دیوتاؤں کے پجاری ہیں جبکہ اسلام میں عقیدہ توحید کو جو اساسی اہمیت حاصل ہے وہ کسی اور عقیدہ کو نہیں، حتیٰ کہ اسلام میں خیر اور شر دونوں کا خالق ایک اللہ ہی کو قرار دیا گیا ہے اور شرک کو انتہائی نفرت آمیز فعل قرار دیکر اس کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

(۲) عقیدہ رسالت

زرتشت کے نزدیک رسولوں سے متعلق حقائق موجود ہیں اور اس نے ان کی ضرورت و ذمہ داری سے بھی بحث کی ہے، دوسری طرف مجوس، زرتشت کے آنے سے پہلے تو رسولوں کے بالکل ہی قائل نہ تھے اور زرتشت کے آنے کے بعد اسے خدا کا اوتار ماننے لگے جبکہ اسلام میں عقیدہ رسالت ہر مسلمان کے ایمان کا ایک لازمی اور غیر منفک حصہ ہے۔

(۳) عقیدہ بعث بعد الموت

زرتشت بعث بعد الموت کا قائل اور جنت و دوزخ کا معترف تھا، دوسری طرف

مجوس، ہندوؤں کی طرح تاج اور آواگون کے قائل تھے جب کہ اسلام میں بعث بعد الموت اور جنت و جہنم کا وجود اور اس کا اقرار ایمانیات کا ایسا لازمی حصہ ہے جس کے بغیر ایمان نامکمل رہتا ہے۔

(۴) ملائکہ سے متعلق عقیدہ

زرتشت ملائکہ کو انسانی نشوونما اور پرداخت کیلئے خارجی ہستیاں قرار دیتا ہے، دوسری طرف مجوسی عقائد میں فرشتوں کی کچھ اہمیت نہیں، بلکہ وہ مردوں کی ارواح کے آنے جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں، جبکہ اسلام فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی مخلوق یا ور کراتا ہے جس کی تخلیق نور سے ہوئی ہے، اسے صرف اللہ کی اطاعت کیلئے پیدا کیا گیا ہے، جسمیں گناہ کا مادہ ہی نہیں ہے۔

(۵) رسم تدفین

مجوسی اور زرتشتی تعلیمات کے مطابق مردہ ناپاک ہوتا ہے اور زمین ہمیشہ سے پاک ہے اس لئے ناپاک مردے کو پاک زمین میں دفن کر ایک پاک چیز کو ناپاک کرنا ہے جو ظاہر ہے کہ زمین کی سراسر بے حرمتی ہے اس لئے اگر کوئی شخص مر جائے تو اسے کسی اونچے چنار یا کسی اونچی جگہ پر رکھ دیا جائے تاکہ پرندوں کی خوراک بھی بن جائے اور زمین بھی ناپاک نہ ہو۔ جبکہ اسلام میں انسانی لاش کی بے حرمتی کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اسے زمین میں دفن کرنے کی نہ صرف یہ کہ ہدایت دی گئی ہے بلکہ اسے انعام خداوندی کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

(۶) رسم حنا

زرتشت اور مجوس کے یہاں سنگے بہن بھائیوں اور دیگر حقیقی رشتہ داروں میں باہمی مناکحت کا سلسلہ قائم کرنا جائز ہے جبکہ اسلام میں اس کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے اور اس سلسلے میں اسلام کی ہدایات بہت واضح ہیں۔

﴿مانوی مذہب و شننوازم﴾

عقائد و نظریات، احکام و تعلیمات، مختلف فرقے
اور مذہبی مقدس کتابیں، اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب ششم

﴿مانوی مذہب﴾

ایران جہاں آبادی کے اعتبار سے ایک زر خیر خطہ واقع ہوا ہے وہیں مذاہب کی تنوع مزاجی کو بھی اس سے بڑی نسبت رہی ہے، بہت سے مذاہب یہیں پھلے پھولے جن میں سرفہرست مجوسیت اور زرتشتیت ہے۔ انہی مذاہب میں سے ایک مذہب ”مانوی مذہب“ بھی ہے جس کا مرکز و منبع ”ایران“ کو قرار دیا گیا ہے۔

بانی مذہب کے مختصر حالات

بہت سارے مذاہب کی طرح یہ مذہب بھی اپنے بانی کی طرف منسوب ہے چنانچہ اس کے بانی کا نام ”مانی“ تھا جو ۲۱۶ء میں ”طسینون“ میں پیدا ہوا، یہ اعلیٰ درجے کا فنکار، مصور اور نقاش تھا، فلسفے میں بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کا باپ کا قرتھاسنی ابتداء وہ دین عیسوی کا پیروکار نہ تھا لیکن مانی کی پیدائش سے کچھ عرصہ قبل اس نے اپنا آبائی دین ترک کر دیا تھا۔

۲۳۲ء میں جبکہ مانی کی عمر صرف ۲۶ سال تھی، اس نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی۔ اس کی اطلاعات جب زرتشتی علماء کو ملیں تو انہوں نے اس کی سخت مخالفت کی، یہ مخالفت اتنی بڑھی کہ مانی کو اپنا وطن عزیز ایران چھوڑ کر جلاوطن ہونا پڑا، دورانِ جلاوطنی اس نے مختلف ممالک کا سفر بھی کیا۔

کچھ عرصہ بعد جب ایران کا بادشاہ ”شاہ پور اول“ مر گیا تو مانی پھر ایران میں واپس آ گیا اور نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا۔ مانی نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنی کتاب ”ازشک“ کو بھی الہامی کتاب قرار دیا، اس کے بعد شاہ پور دوم کے بھائی فیروز سے تعلقات بڑھا کر شاہی دربار تک رسائی حاصل کر لی اور شاہ پور دوم کو اپنا حامی بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ جس کی وجہ سے ایران میں ”مانوی مذہب“ پھیلتا چلا گیا۔

ادھر زرتشتی عالم کیلئے یہ مذہب ایک بہت بڑا چیلنج اور لمحہ فکریہ بن چکا تھا کیونکہ مانوی مذہب کی اشاعت کا مطلب زرتشت ازم کی موت تھا اس لئے وہ اندر خانے اپنی ریشہ دوانیوں سے باز نہ آئے اور جب ”بہرام“ تخت ایران پر مستکن ہوا تو اس نے انہی پر دہتوں کے کہنے میں مکرمانوی مذہب کے پیروکاروں پر بہت ظلم کیا، خود مانی کو قتل کر دیا اور اتنے ذلت آمیز سلوک کیا کہ اس کی کھال کھینچ کر اس میں بھس بھر دیا، تاریخ کا یہ انتہائی ہوناک و افسوسناک واقعہ ہے، میں پیش آیا۔

﴿مانوی مذہب کی بنیادی تعلیمات﴾

مانوی مذہب میں دو چیزوں کو بنیادی اور اساسی اہمیت و حیثیت حاصل ہے۔

(۱) نور و ظلمت

(۲) ماضی، حال اور مستقبل

مانی کے نزدیک نور، خدا کا پرتو ہے، جو ہر انسان کو تھوڑا بہت ضرور ملتا ہے، چاند اور سورج بھی اسی کے نور کا ایک حصہ ہیں جبکہ ظلمات کا منبع و مرکز ”شیطان“ ہے، وہ ہر انسان کو وہ نیکی اور بدی کا ایک عجیب و غریب مرکب ہے۔

مانی اس بات کو تسلیم کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو برائی سے بچانے کیلئے بہت سے پیغمبر مثلاً حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، زرتشت، گوتم بدھ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انبیاء کرام کے اس سلسلے میں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شامل نہیں کرتا تھا اور نہ ہی ان کا نام لیتا تھا اور اس سے بھی بڑھ کر قابلِ توب اور مضحکہ خیز یہ کہ وہ اپنے آپ کو آخری نبی قرار دیتا تھا اور انجیل میں جس ”قرآنیہ“ کا ذکر آیا ہے، خود کو اس کا مصداق قرار دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں ”آخری پیغمبر ہوں اور ہو گوں کیلئے علم و حکمت لیکر آیا ہوں۔“

مانوی مذہب پر نظریہ شیویت و تثلیث کی چھاپ

چونکہ مانوی مذہب کا اصل منبع ایران تھا اس لئے اس نے لازمی طور پر ایرانی

مذہب کا اثر بھی قبول کیا اور مجوس کی طرح وہ بھی شویت کا قائل رہا البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ مانی کا نظریہ شویت زرتشت کے نظریہ شویت سے ہرگز ماخوذ نہیں کیونکہ ”مانی“ کا دعویٰ یہ ہے کہ ابتداء میں صرف دو جوہر موجود تھے۔ نیک، ۲۔ بد، ان میں سے نیک جوہر کا نام ”پدر عظمت“ تھا اور جوہر بد کا نام ”خدائے ظلمت“۔
پھر پدر عظمت کے ماتحت پانچ مظاہر ہیں۔

(۱) ادراک

(۲) عقل

(۳) فکر

(۴) تامل

(۵) ارادہ

جبکہ خدائے ظلمت کے ماتحت اس کے علاوہ پانچ عناصر ہیں۔

(۱) دھواں

(۲) برباد کر دینے والی آگ

(۳) تباہ کر دینے والی ہوا

(۴) گدلا پانی

(۵) اندھیرا

ظاہر ہے کہ زرتشت کا نظریہ شویت اس سے یکسر مختلف ہے۔ معلوم ہوا کہ مانوی مذہب کا نظریہ مذکورہ زرتشت سے ہرگز ماخوذ نہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مانوی مذہب پر ”سٹیٹ“ کی چھاپ بھی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے جس کی بنیادی وجہ شام کا ایک عیسائی پادری ”باردیسان“ تھا، مانی اس سے بہت متاثر تھا اور بقول بعض حضرات کے، اس کی وجہ یہ تھی کہ باردیسان مانی کا استاد تھا اس لئے مانی اس سے اتنا متاثر تھا یا در ہے کہ مذکورہ پادری کا انتقال ۳۲۲ء میں ہوا تھا۔

مانوی مذہب میں اثر سٹیٹ کو قبول کرتے ہوئے مندرجہ ذیل تین چیزوں کو ”اکائیم ثلاثہ“ کی حیثیت دی گئی ہے۔

(۱) پدر عظمت

(۲) مادر زندگان

(۳) اولین انسان

﴿مانوی مذہب اور اسلام کا تقابلی جائزہ﴾

تقابل اور جائزہ سے قبل یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اس وقت خطہ اراضی پر اس مذہب کا کوئی پیروکار اور نام لیا جاتی نہیں رہا، زیادہ سے زیادہ اس کے پیروکار تیرھویں صدی عیسوی تک چل سکے اس کے بعد یہ مذہب دنیا سے ناپید ہو گیا۔

اسلامی تعلیمات کے ساتھ مانوی مذہب کے تقابل کے سلسلے میں سب سے پہلی چیز تو عقیدہ توحید ہے کہ اسلام نے جس شدت کے ساتھ توحید کا پرچار کیا ہے، اسی شدت کے ساتھ مانوی مذہب اس کے تذکرے سے بھی خالی ہے۔

جہاں تک عقیدہ رسالت کا تعلق ہے اس میں اگرچہ وہ بہت سارے انبیاء کرام کو تسلیم کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن اسلام نے کہیں بھی پیغمبروں کے درمیان تفریق روا نہیں رکھی، تفصیلی الگ چیز ہوتی ہے اور تفریق شئی دیگر کا نام ہے اس پر مستزاد مانی کا دعویٰ ختم نبوت ہے جسے حقیقت سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

مانوی مذہب کے مطابق حضرت آدم و حوا علیہما السلام شیاطین کی اولاد تھے جبکہ اسلام میں اس نظریہ باطل کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات انتہائی واضح اور فطرت انسانی کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔

اسی طرح مانوی مذہب اپنے پیروکاروں کی درجہ بندی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ عام لوگوں کو ”سامعین“ کا خطاب دیا جائے اور خواص کا الگ حلقہ قرار دیا جائے جبکہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کی ایسی کوئی درجہ بندی نہیں کی جس سے امیر و غریب، اعلیٰ و ادنیٰ، شریف و رذیل، کالے اور گورے، گھنیا اور بڑھیا کی تفریق قائم ہو سکے، وہ اپنے تمام نام لیاؤں کو ایک ہی صف میں کھڑا دیکھنا چاہتا ہے اور کسی بھی مذہب کی خوبی اور عمدگی کی یہ ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

﴿شننوازم﴾

جاپان اس وقت دنیا کا اہم اور قابل ذکر ملک ہے لیکن اکثر و بیشتر محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ جاپان کی اصل تاریخ تیسری صدی عیسوی سے قبل شروع نہیں ہوتی اور قبل از تاریخ جاپان کے عمومی اور سرکاری مذہب یا طریقہ عبادت کے بارے کچھ نہیں کہا جاسکتا البتہ بعد از تاریخ جاپان کی ثقافت پر بدھ مت، تاؤ مت اور کنفیوشس ازم کا اثر رہا لیکن جاپانی مذہب کے طور پر جس ”دھرم“ کو اختیار کیا گیا وہ ”شننوازم“ ہے۔

دراصل ”شننوا“ کا لغوی معنی ہے ”دیوتاؤں کے ڈھنگ“ یا ان کی راہ وغیرہ۔ یہ چینی زبان کا لفظ ہے اور دو الگ الگ لفظوں سے مرکب ہے ۱۔ شن، ۲۔ تاؤ جو بعد میں بگڑ کر ”شننوا“ ہو گیا۔

شننوازم کی اہم باتیں

جاپان کا یہ قومی مذہب جو صرف اپنے ملک تک ہی محدود ہے، تقابل ادیان کے ماہرین کے نزدیک ”کثرت پرستی“ کا مذہب ہے کیونکہ خود شننوازم کے پیروکار اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے دیوتاؤں کی مجموعی تعداد اسی کروڑ ہے جبکہ اس مذہب کی تاریخی کتابوں میں یہ تعداد بڑھا کر آٹھ سو کروڑ تک بھی بیان کی گئی ہے جن میں سے چند ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) مظاہر پرستی

مظاہر پرستی کے معاملے میں جاپانیوں میں بڑی شدت پائی جاتی ہے، مظاہر فطرت میں ان کی رائے کے مطابق سب سے بڑا معبود سورج ہے، اسی طرح سمندروں، پہاڑوں، کھیتوں، درختوں، جانوروں اور پودوں وغیرہ کی عبادت بھی ان کے یہاں مروج ہے۔

(۲) اسلاف پرستی

اسلاف پرستی کا آسان اور متبادل ترجمہ ”مردہ پرستی“ ہے جس کی وجہ جاپانیوں

کی اپنی نظر میں بھی اپنے اسلاف سے محبت نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان سے خوف کھاتے ہیں اور ان کے شر سے بچنے کیلئے ان کی عبادت کرتے ہیں۔

(۳) شاہ پرستی

جاپانیوں کا یہ نظریہ ہے کہ جس طرح ”سورج“ تمام معبودوں کا سردار ہے اسی طرح ”بادشاہ“ تمام جاپانیوں کا سردار ہوتا ہے، ادھر بادشاہوں نے اپنے آپ کو ”سورج دیوی“ کی اولاد قرار دینا شروع کر دیا جس کا لازمی نتیجہ ہوا کہ شنتوازم میں بادشاہوں کو بھی خدائی کا درجہ مل گیا اور ان کی بھی پرستش شروع ہوئی۔

﴿ شنتوازم کی تین مختلف صورتیں ﴾

دیئے تو شنتوازم کے مرکزی فرقوں کی تعداد تیرہ ہے لیکن اس کی مخصوص صورتیں صرف تین ہیں۔

(۱) ریاستی شنتوازم (۲) فرقہ وارانہ شنتوازم

(۳) گھریلو شنتوازم

ان میں سے ہر ایک کی قدرے تفصیل حسب ذیل ہے۔

ریاستی شنتوازم

اس سے مراد سرکاری امداد کے ذریعے تیار کردہ شنتوازم کی مذہبی اور مقدس زیارت گاہیں اور وہ تنخواہ دار علماء ہیں جن کی کفالت حکومت کے ذمے تھی، اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس زیارت گاہ کا کسی اہم اور مقامی دیوتا یا ہیرو یا کسی خاص واقعے سے منسوب ہونا ضروری تھا اور جو زیارت گاہ غیر معمولی اہمیت کی حامل ہوتی اسے دو عمارتوں کی صورت میں تعمیر کیا جاتا تھا ایک اندرونی اور دوسری بیرونی۔

بیرونی زیارت گاہ میں پہنچ کر زائر اس واقعے کی اہمیت پر غور و فکر کرتا ہوا درمیانے درجے کی کوئی بھیئت چڑھاتا ہے اور مختصر سی عبادت کر کے جب اندرونی حصہ میں پہنچتا ہے تو وہاں اسے اس دیوتا یا واقعے سے متعلق اہم چیزوں کی زیارت کروائی جاتی

ہے۔

فرقہ وارانہ شنتوازم

جیسا کہ یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ شنتوازم کے مرکزی فرقوں کی تعداد تیرہ ہے، لیکن آسانی کی خاطر ہم انہیں تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں اور انہی کو ”فرقہ وارانہ شنتوازم“ کہا جاتا ہے۔

(۱) وہ فرقے جن کی بنیادی عبادت کا مستحق پتھر ہیں خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہوں اسی لئے پہاڑ جاپانیوں کیلئے اپنے اندر مخصوص کشش رکھتے ہیں۔

(۲) وہ فرقے جو فلاحی اور بہود عامہ کے کاموں میں رضا کارانہ طور پر شرکت کرنے پر زور دیتے ہیں۔

(۳) وہ فرقے جو ذوق کشی، ضبط نفس، ٹھنڈے پانی میں نہانے اور اس قسم کی دیگر خرافات کا شکار ہیں۔

گھریلو شنتوازم

عام جاپانی اور گھریلو زندگی میں شنتوازم کی تصویر انتہائی سادہ ہے، شیلف کے اوپر اپنے خداؤں بالخصوص آباؤ اجداد کے نام کندہ کرنا، پھول اور پھل وغیرہ ان کے سامنے پیش کرنا، ہاتھ منہ دھو کر مختصر عبادت کر لینا گھریلو شنتوازم کا ایک مختصر سا خاکہ ہے۔

شنتوازم میں عبادت کا طریقہ

شنتوازم کا کوئی بھی پیروکار جب اپنی مفروضہ عبادت ادا کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے بتوں کے سامنے آکر سب سے پہلے دو مرتبہ جھکتا ہے، اس کے بعد گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتا ہے، پھر جھکتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس دوران مخصوص دعائیں مانگتا رہتا ہے۔

شنتوازم کی مذہبی کتابیں

اس مذہب کی دو کتابوں کا حوالہ مل سکا ہے جن میں قدیم دیوتاؤں کے حیرت

انجیز کارناموں اور درخت و پہاڑ جیسے دیوتاؤں کا بھی تذکرہ ہے۔

(۱) کوبیگی

(۲) فی ہوگی

﴿شنو ازم اور اسلام کا تقابلی جائزہ﴾

ویسے تو یہ کوئی ایسا قابل ذکر مذہب نہیں جس کا اسلام کے ساتھ تقابل پیش کیا جائے تاہم اختصار کے ساتھ دو چار باتیں یہاں بھی عرض کی جاتی ہیں۔

آپ یہ بات معلوم کر چکے ہیں کہ یہ جاپان کا ایک مقامی مذہب ہے، جو دوسرے مذاہب بالخصوص بدھ مت سے انتہائی متاثر دکھائی دیتا ہے جبکہ اسلام کا تعارف ”مقامی مذہب“ سے کرنا نہ صرف یہ کہ اس کے ساتھ ظلم ہے بلکہ حقائق کا خون بھی ہے، کہاں اسلام کی عالمگیریت اور کہاں شنو ازم کی تنگ دامنی، اس کے ساتھ ساتھ اسلام دین فطرت ہے جو کسی سے متاثر ہونے کی بجائے دوسروں پر ہمیشہ اپنا اثر چھوڑتا رہا ہے، اور اس کی یہی تاثیر دلوں میں ایک نئی روح پھونکتی ہے۔

عقیدہ توحید و رسالت سے دستبرداری، مظاہر پرستی اور معبودوں کی یہ کثرت اسلام کو ایک آنکھ نہیں بھاتی اسی لئے اسلام میں عقائد کی درگلی اور عبادت کا تعلق صرف اللہ سے جوڑنے پر انتہائی اہمیت کے ساتھ زور دیا جاتا ہے۔

پھر اسلام نے اپنے پیروکاروں کو عبادات کا جو بہترین مجموعہ ”نماز“ کی صورت میں عطا فرمایا، شنو ازم میں وہ بات کہاں؟ فطرت کی صحیح رہنمائی اور ذوق کی تسکین نماز کے علاوہ کسی اور طریقہ عبادت میں تلاش کرنا خام خیالی ہے۔

باب ہفتم

﴿تاؤ مت، کیلشی ازم اور ٹیوٹانی مذہب﴾

تعارف، عقائد، احکامات و تعلیمات مختلف مکاتب فکر،
کتب مقدسہ، اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب ہفتم

﴿تاؤ مت﴾

سلسلہ مذاہب میں اس مذہب کا تعلق بھی ”جین“ سے ہے لیکن بحیثیت مذہب اسے عقائد و رسومات کی تصویر کشی کے ساتھ بیان کرنا مشکل ہے کیونکہ اس مذہب کی کوئی تاریخ ہے اور نہ ہی اس کے بانی کے مفصل اور مستند حالات دستیاب ہوتے ہیں، اسی وجہ سے بعض لوگوں نے اس کا وجود ہی تسلیم نہیں کیا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ اس مذہب کی مقدس کتاب ایک مذہبی تحریر سے زیادہ فلسفے کا مختصر شاعرانہ بیان زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

بانی مذہب کے مختصر حالات

اس مذہب کا بانی جین کا ایک بہت بڑا فلسفی ”لاؤزے تاؤ“ تھا جس کا اصلی نام ”لی پے یانگ“ تھا، اس کا نام لاؤزے مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معنی ہے ”بوزھا فلسفی“ چونکہ لاؤزے لوگوں کو اپنے فلسفے کی تعلیم دیا کرتا تھا، اس لئے اس کا یہ نام پڑ گیا۔ اس کی پیدائش ۶۰۴ ق م میں ہوئی اور بعض تاریخی روایات کے مطابق یہ ”کنفیوشس“ سے پچاس برس پہلے پیدا ہوا تھا اور ان دونوں کی باہمی ملاقات کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے، ابتداء میں لاؤزے مملکت کی شاہی دستاویزات کا محافظ تھا لیکن جب ملکی حالات بگڑنا شروع ہوئے تو وہ اس عہدے سے مستعفی ہو گیا اور جین چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

ہجرت کی نیت سے جب وہ سرحد پر پہنچا تو سرحدی محافظ نے اسے پہچان لیا اور کہا کہ میں آپ کو اس وقت تک سرحد پار نہیں کرنے دوں گا جب تک آپ اپنی تعلیمات لکھ کر مجھے نہ دیدیں۔ لاؤزے نے مجبور ہو کر ایک تاریخی کتاب ”تاؤ متے چنگ“ پر تحریر کی اور وہ محافظ کے حوالے کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا، اس کے بعد وہ کہاں پہنچا اور اس کے ساتھ کیا حالات پیش آئے اور کب اس کا انتقال ہوا؟ تاریخ اس بارے میں مکمل خاموش ہے۔

﴿تاؤ مت عقائد کی صورت میں﴾

اس مذہب کی مقدس اور مذہبی کتاب کا ترجمہ بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ۸۱ ابواب پر مشتمل اس کتاب میں تلاشِ باریک کے بعد صرف ایک مرتبہ ”خدا“ کا لفظ مل سکا ہے اور اکثر تراجم میں وہ بھی نہیں ہے۔ اسی طرح حیات بعد الموت پر بھی ان لوگوں کا اعتقاد نہیں تھا، اس کے علاوہ ان کے عقائد و تعلیمات حسب ذیل تھیں۔

(۱) ”تاؤ“ کا وجود ہمیشہ سے ہے اور اس پر کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا جس میں وہ موجود نہ رہا ہو۔

(۲) ”تاؤ“ ہر جگہ موجود ہے۔

(۳) ”تاؤ“ ہی کے دم سے کائنات قائم ہے۔

(۴) چاند اور سورج اپنے اپنے مدار میں تاؤ کی وجہ سے گھومتے ہیں۔

(۵) ”تاؤ“ بذاتِ خود کوئی جسم نہیں رکھتا البتہ تمام اجسام اسی کے پیدا کردہ ہیں۔

(۶) تمام مخلوقات کو روزی پہنچانے والا بھی ”تاؤ“ ہی ہے۔

(۷) لاؤزے کا کہنا تھا کہ کائنات کے پیچھے کارفرما بنیادی اکائی ایک پراسرار اور

ناقابلِ بیان قوت ہے جو ”تاؤ“ کہلاتی ہے۔ جلد یا بدیر انسانی راحت و آرائش

کے تمام اسباب کا خاتمہ بھی اسی کے ہاتھوں ہوگا۔

(۸) لاؤزے یہ بھی کہتا تھا کہ زندگی عظیم ترین اثاثہ ہے اسی وجہ سے تاؤ مت کے

ہر کار اپنی زندگی اور عمر بڑھانے کے لئے مختلف کیمیائی اور جادوئی طریقوں کا

استعمال کرتے تھے۔

(۹) اسی طرح تاؤ کے نزدیک زندگی سادہ طرز و اطوار کا نام ہے، نام و نمود اسے پسند

نہیں اور تکبر سے بھی اسے نفرت ہے۔

﴿تاؤمت کے اخلاقی اصول﴾

لاؤزے کے مطابق ”انسان“ کائنات کا ایک حصہ ہے اور جب یہ انسان فطری قوانین کے سامنے سر جھکا دیتا ہے تو وہ اپنی خواہشات اور جذبات پر قابو اور دوسروں پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے، اسی طرح لائو زے لائی کو بہت بڑی مصیبت قرار دیتا ہے وہ قیدیوں کو سخت سزا دینے کے حق میں نہیں تھا، وہ موت کو ایک خوشنوار چیز قرار دیتا تھا جس سے انسان کو خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے۔

چونکہ لائو زے کا مذہب زیادہ تر فلسفیانہ ہے اس لئے عوام اسے نہیں سمجھ سکے البتہ اتنا ضرور ہوا کہ عوام نے اسے اپنا معبود قرار دے لیا اور جانوروں کو اس کا اوتار سمجھنے لگے، بعد میں آنے والے لوگوں نے کنفیوشس ازم کے رشتہ عقائد کو دوبارہ اس میں داخل کر دیا، جس کی وجہ سے چین میں اسکی مقبولیت بڑھ گئی۔

﴿تاؤمت کے مختلف مکاتب فکر﴾

یاد رہے کہ تاؤمت میں جن مکاتب فکر کو نمایاں اہمیت حاصل ہو سکی وہ تین

ہیں۔

(۱) کنفیوشس پسند (۲) ضابطہ پرست (۳) موہست

کنفیوشس پسند

اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ ہو کہ تاؤمت ہی کو اپنا مذہب قرار دیتے تھے لیکن بہت ساری چیزوں میں وہ کنفیوشس کی تعلیمات کو فوقیت اور اہمیت دینا کرتے تھے، اسی لئے ان کا نام ہی ”کنفیوشس پسند“ پڑ گیا۔

ضابطہ پرست

اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی نگاہوں میں مذہب کا کوئی مقام نہ تھا بلکہ یہ لوگ قانون کی پابندی اور مستحکم حکومت کی ضرورت و اہمیت پر بہت زور دیتے تھے۔

موبسٹ

اس مکتبہ فکر کا بانی ”موترو“ تھا جو ابتداءً تو کنفیوشس پسند گردہ میں شامل رہا۔ لیکن بعد میں اس نے اپنا الگ فلسفہ تشکیل دیا، اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ امن پسند ہوتے ہیں، جنگ اور لڑائی جھگڑے سے کتراتے ہیں البتہ اگر دفاع کی ضرورت پڑ جائے تو عمارتوں کی حصار بندی کی اجازت بھی دیتے ہیں۔

❦ تاؤ مت کا مقدس اور مذہبی ورثہ ❦

مذہبی طور پر تاؤ مت میں جو تقدس اور احترام لاؤزے تاؤ کی اپنی تصنیف ”تاؤ تے چنگ“ کو حاصل ہوا وہ اس مذہب کیلئے قابل فخر ہے جس کا لفظی معنی ہے ”تدبیر“ راستہ اور اس کی قوت یا فضیلت“ پانچ ہزار الفاظ سے لکھی گئی اکیاسی ابواب پر مشتمل یہ کتاب شاعرانہ انداز میں تحریر کی گئی ہے جس کے صرف انگریزی زبان میں چالیس سے بھی زیادہ ترجمے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد لاؤزے تاؤ کے ایک شاگرد ”چانگ تزو“ کی تحریرات کو بھی نہایت اہمیت دی گئی اور اس مذہب کو سمجھنے کیلئے ان ہی دو کتابوں پر زیادہ تر انحصار کیا جاتا ہے۔

❦ تاؤ مت اور اسلام کا تقابلی جائزہ ❦

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو بانی مذہب کی سوانح حیات سے متعلق ہے کہ جس شخص کی طرف اس مذہب کی نسبت ہے وہی نامعلوم ہے۔ پھر اس سے زیادہ قابل تعجب بات یہ ہے کہ بانی مذہب اپنے تمام فلسفیانہ نکات و نظریات تحریر کر کے ایک سرحدی محافظ کو دے گیا اور بعد میں اس کا کچھ پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں گیا؟

جبکہ دوسری طرف اسلام کی دولت ہمیں جس ذات ستودہ صفات کے ذریعے حاصل ہوئی ان کی نجی زندگی تک کا ایک ایک گوشہ محفوظ ہے، پھر ایسا بھی نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے خود ہی قرآن کریم تحریر کر کے اپنے صحابہ کو دیدیا ہو اور خود رحلت فرما گئے ہوں

بلکہ آپ کی تعلیمات اور قرآن کریم کے واضح بیانات نے یہ بات سمجھائی کہ یہ قرآن کائنات رنگ و بو کو جو دیکھئے والے اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کی تصنیف ہرگز نہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ تاؤ مت کی عقیدہ توحید و رسالت اور عقیدہ آخرت سے غیر وابستگی اور تاؤ کی غیر معمولی اہمیت اور اس کا درجہ خدائی بھی اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کا فلسفہ عوام کی سمجھ میں کبھی نہیں آ سکا جبکہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ اس کا فلسفہ ایک عام سے عام انسان کی سمجھ میں بھی باسانی آ سکتا ہے۔

﴿ کیلیٹی ازم ﴾

اس مذہب کے متعلق کچھ زیادہ تفصیلات تو نہیں مل سکیں اور نہ ہی اس کے بانی کا کچھ پتہ چل سکا کہ وہ کون تھا؟ کب اور کہاں پیدا ہوا؟ کب اور کہاں انتقال کیا؟ تاہم اتنی بات واضح ہے کہ ”کیلیٹی“ آریاؤں کی ایک شاخ ہے جس کی طرف اس مذہب کی نسبت ہے۔

مختصر تعارف

ابتداءً یہ لوگ مظاہر پرستی کے روگ میں مبتلا تھے، ان کے نزدیک دریا، سمندر اور جھیلیں خداؤں کا مسکن تھیں اسی لئے وہ ان جگہوں پر قیمتی چیزیں ڈالا کرتے تھے تاکہ اپنے خداؤں کو قیمتی سے قیمتی اور بڑھیا سے بڑھیا نذرانہ گزار سکیں تاہم بعد میں ان لوگوں نے عیسائیت کو قبول کر لیا تھا۔

اسی طرح اس مذہب میں درختوں اور جانوروں کی پوجا بھی عام تھی، اس مذہب کے پیروکار مردوں سے بہت ڈرتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ مرنے کے بعد مردوں کی روہیں واپس آ جاتی ہیں، اسی خوف کی وجہ سے یہ لوگ مروے کی تمام چیزیں بھی اس کے ساتھ ہی قبر میں دفن کر دیتے تھے تاکہ مردہ ان کے لالچ میں گھر واپس نہ آ جائے۔

اس مذہب میں چونکہ سمندر وغیرہ بنانے کا کوئی رواج نہیں تھا اس لئے عام طور پر عبادت گاہوں میں ہی کی جاتی تھی، یہ لوگ آواگون پر عقیدہ رکھتے تھے اور اکثر کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ ارواح انسانی غیر فانی ہیں، دنیا کے کھل خاتے پر بھی انہیں یقین تھا تاہم اس کے علاوہ ان کے اکثر عقائد ہندومت کے انتہائی قریب بلکہ اس کے ساتھ مشترک تھے۔

﴿یونانی مذہب﴾

سلسلہ مذاہب کے درمیان سے یہ مذہب بھی تقریباً ناپید ہو کر رہ گیا ہے اسی وجہ سے اس کی خاطر خواہ اور معتد بہ معلومات کا دستیاب ہونا بھی مشکل ہوتا ہے۔ ویسے بنیادی طور پر اس مذہب کے پیروکار مختلف ممالک مثلاً ناروے، سویڈن، ڈنمارک، ہالینڈ، انگلینڈ، سوئٹزر لینڈ اور آئس لینڈ میں پائے جاتے تھے۔

کسی بھی مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کا ذریعہ اس کی مذہبی کتابیں ہوتی ہیں اس لئے ہمیں یونانی مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے بھی اس کی مقدس کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوگا جنہیں ”ایڈ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اس مذہب کی جو قدیم کتابیں دستیاب ہو سکتی ہیں وہ بارہویں صدی میں لکھی گئی ہیں اور ان کا لکھنے والا بھی معلوم نہیں اس لئے ان کتابوں پر کسی مذہب کی بنیادی تعلیمات کو سمجھنا ہرگز موقوف نہیں کیا جاسکتا۔

البتہ تیرہویں صدی میں اس مذہب کی جو کتابیں احاطہ تحریر میں لائی گئی ہیں ان کا مصنف ایک مورخ ”اسنوراٹر“ بتایا جاتا ہے اور ان کتابوں میں دیوتاؤں کی شان میں گیت، ان کی صفات اور اختیارات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

مظاہر پرستی اس مذہب میں بھی عام ہے اور آسمان، سورج، چاند اور زمین وغیرہ بھی ان کے دیوتاؤں میں شمار ہوتے تھے، نیز ہر قبیلے کا الگ بت اور الگ دیوتا ہوا کرتا تھا اور مختلف دیوتاؤں کے ذمے مختلف کام ہوا کرتے تھے مثلاً ایک دیوتا کا نام ”تھور“ تھا جس کا شمار بڑے دیوتاؤں میں ہوتا تھا اور اسے زرخیزی و خوشخبری کا پیاہر سمجھا جاتا تھا۔

تھور سے بڑے دیوتا کو ”وون“ کے نام سے پکارا جاتا تھا اور اس کا شمار ”جنگجو“ کے طور پر ہوتا تھا، اس کی بیوی کا نام ”فرگ“ تھا جو شادی کے فرائض سرانجام دیتی تھی۔

﴿یونانی مذہب کے مختلف عقائد﴾

یونانی مذہب میں مظاہر پرستی کے ساتھ ساتھ شاہ پرستی کا بھی رواج تھا اور وہ

اپنے بادشاہ کو دیوتا کا درجہ دیتے تھے، تخلیق کائنات کے سلسلے میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ دنیا کے وجود سے پہلے کچھ نہ تھا، صرف اور صرف خلا تھا، اس کے بعد جب دنیا کو وجود ملا تو رفتہ رفتہ اس کی صورت حال تبدیل ہوتی گئی۔

اس مذہب میں عبادت خانہ ”مندر“ کی شکل میں ہوتا تھا جہاں جانور کی قربانی کر کے اس کا خون حاضرین پر چھڑکا جاتا تھا اور اس کا گوشت مہمان نوازی کے کام آتا تھا۔ یہ لوگ اس بات پر اعتقاد رکھتے تھے کہ مرنے کے بعد انسان کی روح قبرستان میں رہتی ہے تاہم جزا و سزا سے متعلق ان کا نظریہ واضح نہیں، اسی طرح اور بھی بہت ساری باتیں اس مذہب میں تفکلی کا شکار ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ اس مذہب سے تعلق رکھنے والے اکثر لوگوں نے پہلے عیسائیت کو قبول کیا لیکن بعد میں اسے بھی خیر باد کہہ کر لادینیت اور دھرمیت اختیار کر لی۔ اعادنا اللہ منہا

﴿یہودیت﴾

تاریخ یہود، تاریخ اسرائیل، خداوند یہود کا تعارف،
تورات و زبور میں تحریف کے اسباب،
شہوار اور رسومات، مختلف فرقے اور مذہبی کتابیں،
اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب ہشتم

﴿یہودیت﴾

تاریخی لحاظ سے ”یہودیت“ دنیا کے قدیم ترین اور بڑے مذاہب میں سے ایک ہے جس کی نسبت اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کی جاتی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ آیا لفظ ”یہودی“ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بعد ہی متعارف ہوا یا پہلے سے ہی یہ زبان زود عام تھا، یہاں یہ بات ذکر کرنا مقصود ہے کہ چونکہ ”یہودی“ بول کر مرید اصطلاحات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیروکار ہی مراد لیا جاتا ہے، اس لئے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل اور بعد کے حالات کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس کا تاریخی پس منظر بھی واضح ہو جائے اور عام حالات کا بھی ایک اندازہ ہو جائے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ چونکہ یہودیوں کا تعلق عبرانی نسل سے ہے اس لئے ان کے عقائد بھی ”عبرانی“ تھے، سامی النسل ہونے کی وجہ سے ان کا مذہب بہت حد تک اہل عرب سے بھی ملتا جلتا تھا اور مصر میں رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے ان کے مذہب نے مصری مذاہب و عقائد سے بھی تاثر قبول کر کے اپنے اندر انہیں مدغم کر لیا تھا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل یہ لوگ بت پرستی میں بھی مبتلا تھے اور ان کے یہ بت درحقیقت حضرت نوح علیہ السلام، ان کی اولاد اور مقدس ہستیوں کے وہ مجسمے تھے جنہیں ابتدائے یادگار کے طور پر تعمیر کیا گیا تھا لیکن بعد میں ان کی پوجا شروع ہو گئی۔

قدیم بنی اسرائیل اور ان کے عقائد

یہودیوں کو ”بنی اسرائیل“ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے، چنانچہ خود قرآن میں یہ لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے، اصل میں ”بنی اسرائیل“ کا معنی ہے ”اسرائیل کی اولاد“ اور اسرائیل لقب ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کا، یاد رہے کہ ”اسرائیل“ عبرانی زبان کا

ایک مرکب لفظ ہے جو اصل میں تھا "اسرا" اور "ايل" دونوں کو ملانے سے اسرائیل ہو گیا، اسرا کا معنی "عبد" (بندہ) اور "ايل" کا معنی "اللہ" تو اسرائیل کا معنی ہوا عبد اللہ یعنی اللہ کا بندہ۔ چونکہ یہودی حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے انہیں بنی اسرائیل بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

بہر حال! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل یہودی عبادات کو جن حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) خاندانی دیوتاؤں کی عبادت (۲) پتھروں کی عبادت

(۳) قومی دیوتاؤں (بادشاہوں) کی عبادت

چنانچہ بنی اسرائیل میں سورتیوں کی شکل میں ہر خاندان کا الگ الگ دیوتا ہوتا تھا، خاندانی دیوتاؤں کی یہ سورتیاں چھوٹی جسامت میں ہوتی تھیں اور "تراخیم" کہلاتی تھیں۔ اسی طرح پتھروں کی پوجا اور ان پتھروں سے بت تراشی بھی عام تھی، بعض قربان گاہوں میں یہ بھی ہوتا تھا کہ صرف ایک پتھر کھڑا کر دیا جاتا جس پر تیل ڈالا جاتا اور اس کے سامنے قربانی کی جاتی، اس جگہ کا نام ان لوگوں کے یہاں "بیت الہل" تھا۔

رہے بنی اسرائیل کے وہ قومی دیوتا جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے، سوان کی تفصیل تاریخ میں نہیں مل سکی۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جب یہودیوں نے کنعان پر غلبہ حاصل کیا تو وہ اس وقت کے دو مقامی بادشاہوں "بعل اور مُوَلک" کی روحوں سے فیض حاصل کرنے کے مدعی تھے اس لئے قومی دیوتاؤں میں انہیں بہت شہرت حاصل تھی۔ خاص طور پر "موک" کی پرستش دنیا کی بہت سی اقوام میں رائج تھی، بنی اسرائیل نے جب اس کی پوجا شروع کی تو وہ اس حد تک بڑھے کہ اپنے بچوں کی قربانیاں بھی اسی کے نام پر کرنے لگے، بعد میں اسی بُت کو "یہوداہ" کا نام دیدیا گیا۔

یہوداہ کا تعارف

مؤرخین کے درمیان اس کے صحیح تلفظ میں اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات نے اسے "یہودہ" پڑھا ہے اور بعض نے یہوداہ قرار دیا ہے جبکہ بعض حضرات کی رائے میں یہ لفظ ذال کے ساتھ "یہوداہ" صحیح ہے، شاید آپ یہ پڑھ کر حیران ہو رہے ہوں گے

کہ یہود جس دیوتا کی عبادت کرتے تھے اور بزم خویش اسے اپنا معبود سمجھتے تھے، اس کے نام کا صحیح تلفظ کرنے پر بھی وہ قادر نہیں؟ آپ اس حیرانی میں یقیناً حق بجانب ہیں کیونکہ اس کی وجہ بھی بہت حیران کن ہے اور وہ یہ کہ یہودیوں کے یہاں اپنے خدا کا نام لینا بے ادبی اور قاتل مؤاخذہ جرم تھا، اور جو شخص اپنے خدا کا نام لینا اس کی سزا یہ تھی کہ اسے سنگسار کر دیا جائے، بس اتنی اجازت تھی کہ سال میں ایک مرتبہ بیت المقدس میں تمام یہودی اکٹھے ہو جائیں اور ایک مقدس آدمی اس کا نام لے لے لیکن باقی لوگ پھر بھی اس کا نام نہ لیں بلکہ خاموشی سے اسے سنتے رہیں۔

ان کڑی سزاؤں اور تادیبی کاروائیوں کی وجہ سے یہود اپنے خدا کے نام سے اسنے نا آشنا ہوئے کہ وہ اس کا صحیح تلفظ تک بھول گئے اور مؤرخین کو اس پر بھی بحث کرنا پڑی کہ خداوند یہود کے نام کا صحیح تلفظ کیا ہے۔

الغرض! جب یہودیوں کے دلوں میں قومی دیوتا کی حیثیت سے ”یہوداہ“ کی عظمت گھر کر گئی تو رفتہ رفتہ انہوں نے اس کے اختیارات میں بھی اضافہ کرنا شروع کر دیا چنانچہ پہلے یہ کہا گیا کہ یہوداہ ہی ہمیں دشمنوں پر فتح دیتا ہے اور ان کے حلوں سے ہماری حفاظت کرتا ہے، پھر اس پر یہ اضافہ ہوا کہ یہوداہ کی قوت عام انسانوں سے زیادہ ہے۔ اسی لئے وہ ان کی دعائیں بھی سنتا ہے اور ان کی مدد بھی کرتا ہے۔ پھر یہ سمجھا جانے لگا کہ اس کا ٹھکانہ بادلوں کی کڑک اور گھن گرج میں ہے اس اعتبار سے یہوداہ بادلوں اور طوفانوں کا دیوتا قرار پایا۔

حضرت داؤد علیہ السلام جب تک بنی اسرائیل کے حکمران رہے اور ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کی تاریخی اور عظیم الشان حکومت قائم رہی، اس وقت تک تو یہودی صحیح رہے لیکن جوں ہی ان کی آنکھیں بند ہو گئیں، یہ پھر اپنی پرانی روش پر چلنے لگے اور ”یہوداہ“ کی صفات میں بھی کچھ اضافہ کر دیا چنانچہ اسے حضرت آدم علیہ السلام کا خالق ہونے کی حیثیت سے باور کرایا گیا اور یہ تصور دیا گیا کہ کوئی انسانی آنکھ ”یہوداہ“ کو نہیں دیکھ سکتی، اگر کسی نے اسے دیکھ لیا تو وہ مرجائے گا۔

محترم جناب مظہر الدین صدیقی صاحب نے آدم موسیٰ علیہ السلام سے قبل کے

حالات پر اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

”حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس . حول میں پرورش پائی، اس میں مشرکانہ رسوم اور بت پرستانہ عقائد کی گرم و زاری تھی، دوسری اقوام کی عبادت اور پرستش کو قبول کرنے میں مصری بہت فراخ دل واقع ہوئے تھے چنانچہ کنعانی دیوتاؤں بعل اور ہرون کی پرستش، مصری دیوتاؤں مثلاً سیٹ، یورس اور ایس کے ساتھ ساتھ چاری تھی، اسی طرح کنعان میں کئی مصری دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی تھی، عام مذہبی حالت بہت پست تھی، کنعانیوں میں ”حرام کاری“ کو مذہبی تقدس حاصل ہو گیا تھا، کنعانی مندروں میں انعام کرنے والے مردوں کا ایک باقاعدہ اور مسلمہ مذہبی طبقہ موجود تھا، سانپوں کی پرستش بھی عام تھی اور انسانی قربانی ان کی ایک معمولی عادت تھی، مصریوں کے مذہبی رسوم بھی کچھ کم قبیح نہ تھے، چنانچہ ان کی پرستش مصری مذہب کا ایک مسلمہ جزو تھا۔“ (۱)

(اسلام اور مذاہب عالم ص ۵۸)

تاریخ میں جب بھی خانہ بدوشی اور اس سے وابستہ افراد کا تذکرہ کیا جائیگا، وہاں یہودیوں کا تذکرہ ضرور ہوگا جیسا کہ خود تورات میں اس کا تذکرہ موجود ہے اور تورات بھی اس کے تذکرے سے بکسر خالی نہیں، یہی وجہ ہے کہ یہودی سابقہ ادوار میں کبھی ایک جگہ تک کر نہیں رہے بلکہ ہمیشہ اپنے ٹھکانا بدلتے رہے جس کی برکت سے ”یہوداہ“ کا ٹھکانہ بھی بدلتا رہا، بالآخر خانہ بدوشی کی اس زندگی کا خاتمہ ہوا جس کا نقطہ آغاز یروشلیم میں بیکل سلیمانی کی تعمیر تھی، اس تعمیر کے بعد یہودیوں نے اپنے خداوند یہوداہ کو بیکل سلیمانی میں منتقل کر دیا اور وہ آج تک وہیں ہے، یہودیوں کی بیت المقدس سے دلچسپی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ چونکہ ان کا خدا وہاں موجود ہے اس لئے وہ بیکل سلیمانی کو وسیع کرنا چاہتے ہیں، مسجد اقصیٰ سے نہ پہلے انہیں کوئی دلچسپی تھی اور نہ اب ہے۔

تاریخ یہود اور اسرائیل کا پس منظر

یکل سلیمانی کی بات یہی گئی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی یہودیوں کا تاریخی جائزہ ہمیں پیش کر دیا جائے تاکہ اس مذہب سے تاریخی طور پر بھی واقفیت حاصل ہو جائے، اس سلسلے میں آپ ہمارے ساتھ ہزاروں سال پیچھے کا سفر کریں، تاریخ کے اوراق آپ کے سامنے کھل رہے ہیں، غور کر کے دیکھیں! کہ ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہونے میں تقریباً ایک ہزار سال کا عرصہ باقی ہے، یہودیوں نے فلسطین میں اپنی ایک ریاست قائم کر لی ہے جسے اس دور کی عظیم الشان حکومت قرار دیا جا رہا ہے۔

اس حکومت کو حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے دور حکومت میں خاصا عروج اور ترقی حاصل ہوئی لیکن ان حضرات کے انتقال کے بعد یہ عظیم الشان سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، اس تقسیم کو دیکھ کر رومیوں کو حوصلہ ہوا اور انہوں نے آہستہ آہستہ فلسطین پر اپنا تسلط قائم کرنا شروع کر دیا۔

اس سلسلے میں رومیوں نے فلسطین پر کئی مرتبہ حملہ کیا اور بالآخر وہ ۶۳ ق م میں فلسطین پر مکمل قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور بظاہر فلسطین کی حکومت یہودیوں سے چھین گئی، اگرچہ ۱۳۷ء میں یہودیوں نے رومیوں کے خلاف بڑے پیمانے پر بغاوت کی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے، تاہم اس کا نتیجہ یہ ضرور نکلا کہ رومیوں نے آئندہ کسی بھی قسم کی بغاوت سے بچنے کیلئے یہودیوں پر مظالم ڈھانا شروع کر دیئے۔

رومیوں کے ان مظالم سے تنگ آ کر یہودی بالآخر ترک وطن پر مجبور ہو گئے اور فلسطین کو چھوڑ کر ایشیا اور یورپ کے علاقوں میں جا کر بس گئے، اس کے بعد وہ متواتر سترہ صدیوں تک مختلف حالات سے دوچار ہوتے رہے لیکن اس دوران انہیں اپنے آپ کو نمایاں کرنے کا کوئی موقع نہ مل سکا اسی لئے اٹھارویں صدی تک یہودی کسی قابل ذکر واقعے میں نظر نہیں آتے۔

اٹھارویں صدی بھی یہودیوں کیلئے خوش خبری کا پیغام نہ لاسکی اور ایک مرتبہ پھر وہ ماحول کی ناسازگاری کا شکار ہوئے جس کا سبب یورپ میں آزاد خیالی کا فروغ بنا، مختلف ممالک کے ادیب اور اہل قلم حضرات نے جب لوگوں کے معاشی اور معاشرتی

مسائل پر قائم اٹھایا تو یہود کے خلاف بھی آواز بلند کی، جس سے یورپ کے اکثر ممالک میں یہودیوں کے خلاف نفرت کی فضا قائم ہو گئی اور یورپی ممالک میں بالخصوص پولینڈ، روس اور مشرقی یورپ میں یہودیوں پر مظالم ڈھائے جانے کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔

مظالم کا یہ سلسلہ جب بڑھتا ہی چلا گیا تو روس کے ایک یہودی افسلر "ڈاکٹر" ہونٹسکر نے ۱۸۸۳ء میں ایک کتاب لکھی جس میں اس نے یہودیوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی حفاظت کیلئے ایک جزا دار خود مختار ریاست قائم کریں۔ اس کے بعد مختلف صحافیوں نے اس موضوع پر مضامین لکھنا شروع کر دیئے کہ یہودیوں کو ارض مقدس میں جا کر آباد ہو جانا چاہئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشہور صحافی "تھیوڈور ڈیرزل" نے ایک تحریک شروع کی جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہودیوں کو ایک آزاد مملکت قائم کرنے پر ابھارے، یہ وہی مشہور تحریک ہے جس کا نام "صیہونی تحریک" ہے۔ اس تحریک نے یہودیوں میں اپنی جڑیں مضبوط کرنا شروع کر دیں اور انہوں نے یورپی ممالک کو چھوڑ کر فلسطین میں آکر آباد ہونا شروع کر دیا، آہستہ آہستہ فلسطین میں یہودی آبادی میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا اور یوں فلسطین کی اکثر زمین پر یہودیوں کا قبضہ ہو گیا اور اس تعداد میں دیکھتے ہی دیکھتے اتنا اضافہ ہوا کہ پہلی جنگ عظیم تک فلسطین میں موجود یہودیوں کی تعداد اسی ہزار ہو گئی۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو برطانیہ نے اعلان کیا کہ "حکومت برطانیہ کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کا ایک وطن قائم کیا جائے گا جس کیلئے برطانوی حکومت اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش اور تعاون کرے گی۔" یہ وضاحت بھی کی گئی کہ فلسطین میں موجود دوسری اقوام کو بھی مذہبی اور شرعی حقوق دیئے جائیں گے۔ فلسطینی حکومت کے قیام کا اعلان سن کر عرب ممالک میں بے چینئی کی لہر دوڑ گئی اور برطانیہ کے اس فیصلے کے خلاف کھلم کھلا اپنے جذبات کا اظہار کیا ہونے لگا کیونکہ پہلی جنگ عظیم کے آخر تک فلسطین ترکی کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا لیکن جنگ کے دوران برطانیہ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔

جنگ عظیم کے منہوس سائے جب چھٹے تو جولائی ۱۹۲۰ء میں اتحادیوں کی اعلیٰ کمان کا ایک اہم اجلاس ہوا، جس میں فیصلہ کیا گیا کہ فلسطینی علاقہ برطانیہ کی تحویل میں

دیکھا جائے۔ اس فیصلے پر عملدرآمد کے بعد جب فلسطین پر برطانوی اقتدار کا تسلط قائم ہو گیا تو اس سے یہودیوں کو بہت تقویت ملی جسے دیکھ کر دنیا بھر سے یہودی آکر یہیں آباد ہونا شروع ہو گئے۔

تاہم انتقال آبادی کی اس تیز رفتاری کے باوجود یہودیوں کی ایک بڑی تعداد جرمنی میں آباد رہی۔ لیکن جب دوسری جنگ عظیم سے قبل ہٹلر کا دور حکومت آیا تو اس نے جرمنی میں موجود یہودیوں پر اتنے مظالم ڈھائے کہ بالآخر یہودیوں نے جرمنی کو بھی خیر باد کہنا شروع کر دیا اور تقریباً سب کچھ ہزار ہزار جرمن یہودی فلسطین میں آکر آباد ہو گئے۔

فلسطین میں یہودیوں کو اس بڑھتی ہوئی اور روز افزوں تعداد کو دیکھ کر فلسطینی عرب باشندوں کو افسوس ہوا کہ اگر یہودیوں کی تعداد اسی طرح بڑھتی رہی تو ہم لوگ "اقلیت" کے درجے میں رہ جائیں گے، یہ سوچ کر انہوں نے ہنگامے شروع کر دیئے۔

یہ ہنگامے اتنے زیادہ ہوئے کہ برطانوی حکومت کو مجبور ہو کر ایک کمیشن قائم کرنا پڑا جس کا مقصد یہ تھا کہ عربوں اور یہودیوں میں صلح ہو جائے لیکن اس میں انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، پھر تقسیم فلسطین کی قرارداد پیش کی گئی لیکن عربوں نے اس کی بھی مخالفت کی اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

اس کے بعد اُسٹ ۱۹۴۷ء میں یہودیوں کا ایک عالمی اجلاس سویٹزرلینڈ میں طلب کیا گیا، اسی طرح ۱۹۳۹ء کے آغاز میں لندن میں ایک گول میز کانفرنس ہوئی لیکن عربوں نے کسی اجلاس میں شرکت نہ کی، جس کا مطلب یہ تھا کہ فلسطینی عرب کسی سمجھوتے پر راضی نہیں ہیں اور وہ اپنے آپ کو کبھی بھی اقلیت تسلیم نہیں کر سکتے۔

مسئلہ فلسطین نے جب نزاکت اختیار کی تو ۱۹۴۷ء کو برطانوی حکومت نے مسئلہ فلسطین پر ایک "قرطاس انیض" شائع کیا جس میں اس بات کی یقین دہانی کرائی گئی کہ برطانوی حکومت دس سال کے اندر اندر فلسطین میں ایک آزاد اور خود مختار حکومت قائم کر دے گی، اس پر عرب مطمئن ہو گئے اور ۱۹۴۸ء تک کوئی قائل ذکر واقعہ سامنے نہیں آیا اور دونوں پر امن رہے۔

اسی دوران دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی جس میں یہودیوں نے حکومت

برطانیہ کو اپنی حمایت اور تعاون کا یقین دلایا۔ ادھر دوسری طرف جرمنی سے یہودیوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے پھر فلسطین منتقل ہونا شروع کر دیا جس پر انگریز ان کی راہ میں مزاحم ہوئے اور انہیں اس سے منع کیا، اس پر یہودی میگزین نے اور حکومت برطانیہ کی مخالفت شروع کر دی اور فلسطین میں ایک مرتبہ پھر حالات کشیدہ ہو گئے اور فتنہ و فساد کی آگ بجڑ اٹھی۔

اس مرتبہ خاص بات یہ ہوئی کہ یہودیوں نے اپنی معتد بہ تعداد فلسطین میں پا کر اپنے آپ کو مضبوط اور طاقتور محسوس کرتے ہوئے دہشت گردی کی کاروائیاں شروع کر دیں، یہی نہیں بلکہ خفیہ طور پر اپنی فوج بھی بنانا شروع کر دی اور ۱۹۴۳ء میں بڑے پیمانے پر فلسطین میں توڑ پھوڑ کی۔

ان حالات کا جائزہ لینے کے بعد ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء میں امریکی صدر ”ٹرومین“ نے برطانوی وزیراعظم سے سفارش کی کہ جنگ سے متاثرہ علاقے کے ایک لاکھ یہودیوں کو فلسطین میں داخلے کی اجازت دیدی جائے، اس سے فلسطینی عربوں میں مزید بے چینی کی لہر دوڑ گئی، مجبور ہو کر مسئلہ فلسطین انجمن اقوام متحدہ کے سامنے پیش کیا گیا۔

اقوام متحدہ کے بعض ممبر ممالک نے یہودی سلطنت کے قیام کی تجویز پیش کی اور بعض دوسرے ممالک نے اس کی کھلم کھلا مخالفت کی، کافی بحث و تمحیص کے بعد ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو مسئلہ فلسطین کا مل جزل اسمبلی میں پیش ہوا جہاں ”تقسیم فلسطین“ کی تجویز اتفاق رائے سے منظور ہو گئی۔

ظاہر ہے کہ عربوں کو یہ فیصلہ کیسے منظور ہو سکتا تھا؟ اس لئے اس دوران عربوں اور یہودیوں کا اس علاقے میں بہت زیادہ خون بہا لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ ادھر ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء رات بارہ بجے برطانوی حکومت نے فلسطین سے اپنا تسلط ختم کرنے کا اعلان کر دیا اور ڈیوڈ بن گوریان نے اسرائیل کے قیام کا اعلان نشر کر دیا۔ یاد رہے کہ اسرائیل کا سب سے پہلا وزیراعظم بھی یہی تھا اور اسے سب سے پہلے امریکہ نے تسلیم کیا۔

اسرائیلی حکومت کے قیام کا اعلان کوئی ایسی خبر تھی جس پر عرب خاموش رہ جاتے اس لئے جونہی یہ اعلان ہوا، شام، لبنان، اردن، عراق، مصر اور سعودی عرب نے

اسرائیل پر حملہ کر دیا اور ۱۹۴۹ء تک یہ جنگ جاری رہی لیکن اس جنگ میں اسرائیل کا پہلے بھاری رہا اور فلسطین کے تین چوتھائی حصے پر اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔

جنگ میں کامیابی نے یہودیوں کے حوصلے اور بڑھا دیئے اور ۱۹۵۶ء میں اسرائیل نے برطانیہ اور فرانس کی شہ پاکر مصر پر حملہ کر دیا۔ ۱۹۶۷ء میں بھی حالات خراب ہوئے، اسی طرح ۱۹۷۳ء میں بھی عرب اسرائیل چوتھی مرتبہ جنگ آزما ہوئے اور آج تک اس علاقے میں خانہ جنگی ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی غیبی حفاظت فرمائیں۔

﴿حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد﴾

اسرائیلی حکومت کا تاریخی پس منظر ملاحظہ فرمانے کے بعد آئیے! ہم وہیں لوٹ چلیں جہاں سے ہم نے رخت سفر باندھا تھا۔ آمد و بخت موسیٰ سے پہلے کے حالات آپ پڑھ چکے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن، جوانی اور پیغمبری کے حالات بہت تفصیل کے ساتھ قرآن کریم میں بیان کر دیئے گئے ہیں، یہاں اختصار کے ساتھ اسے بیان کیا جاتا ہے تاکہ تسلسل قائم رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام ”یو کا بد“ تھا، آپ کی پیدائش سے قبل فرعون جس کا نام رانیسیس تھا، کا خواب دیکھنا، پھر بچوں کے قتل کا حکم دینا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزاتی طور پر بچ جانا اور فرعون ہی کے شاہی محل میں حضرت آسیہ کے زیر سایہ پرورش پانا، جوان ہو کر قبیلے کے قتل کا واقعہ پیش آنا اور مصر سے ترک وطن کر کے سوئے مدین روانہ ہونا، وہاں حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات ہونا، دس سال تک انکی خدمت کرنا، ان کی بیٹی سے نکاح کرنا، راستہ میں نبوت ملنا، معجزات عطا ہونا، فرعون کے دربار میں نعرہ توحید بلند کرنا، فرعون کا مقابلہ بازی پر اتر آنا، جادو گروں کا ایمان قبول کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہونا، فرعون کا تعاقب کرنا اور لشکر سمیت دریا میں غرق ہونا، وہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وادی سینا میں جانا، صحرائی کی شدت سے استسقاء رحمت کرنا، پتھر سے بارہ چشمے جاری ہونا، بادلوں کا سایہ فگن

ہونا، من و سلوکی کا نازل ہونا، بنی اسرائیل کا سبزیوں کا مطالبہ کرنا اور پتھر سے کی پوجا کرنا وغیرہ لک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے وہ تفصیلی واقعات ہیں جو اتنی صحت اور استناد کے ساتھ شاید تورات بھی پیش کرنے سے عاجز ہو۔

﴿یہودیوں کی کتب مقدسہ﴾

تاریخی واقعات سے کچھ واقفیت حاصل کرنے کے بعد ”کتب مقدسہ“ کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے اس کے بعد اس میں تحریف و تبدیلی پر روشنی ڈالی جائیگی، چنانچہ دور حاضر میں یہودیوں کی سب سے زیادہ مقدس کتاب ”عہد نامہ عتیق“ اولڈ ٹیسٹ نامنت کہلاتی ہے اور اسے بنی اسرائیل کی ایک تاریخی کتاب کی حیثیت دی جاتی ہے۔ یہ کتاب اسی ۳۹ حصوں پر مشتمل ہے۔ آسانی کی غرض سے ان حصوں کو تین ۳ سلسلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

سلسلہ نمبر ۱

درحقیقت یہ پہلا سلسلہ ہی ”تورات“ ہے اور اس میں پانچ کتابیں شامل ہیں جنہیں ”کتب خمسہ موسیٰ“ کہا جاتا ہے۔

(۱) کتاب پیدائش

اس میں تخلیق کائنات اور تخلیق آدم سے لیکر حضرت یوسف تک کے حالات مذکور ہیں۔

(۲) کتاب خروج

اس میں حضرت موسیٰ سے متعلق واقعات بالتفصیل مذکور ہیں۔

(۳) کتاب اخبار

اس کتاب میں قربانی کی شرائط، حلال و حرام اور مذہبی احکامات بیان کئے گئے

ہیں۔

(۴) کتاب اعداد

اس کتاب میں بنی اسرائیل کی مختلف شاخوں کی تقسیم اور ہر قبیلے کے افراد کی تعداد بیان کی گئی ہے۔

(۵) کتاب استثناء

مذہبی قوانین کے اعتبار سے اس کتاب کو انتہائی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یاد رہے کہ علماء کرام زیادہ تر کتاب پیدائش، خروج اور استثناء اور ان میں سے بھی اول الذکر کا خاص طور پر حوالہ دیا کرتے ہیں باقی دو کتابوں سے صرف نظر کر بیجاتی ہے کیونکہ ان میں کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جس کا حوالہ دیا جاسکے۔

سلسلہ نمبر ۲

یہودی کتب مقدسہ کے دوسرے سلسلے کا نام ”تیمیم“ ہے جس میں مجموعی طور پر بائیس کتابیں شامل ہیں۔ مثلاً کتاب یوشع، کتاب یسعیہ، کتاب حوئل وغیرہ لیکن ان ۲۲ میں سے عام طور پر حوالہ انہیں تین کا دیا جاتا ہے۔

سلسلہ نمبر ۳

کتب مقدسہ کے اس تیسرے سلسلے کو ”تسیم“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس میں مجموعی طور پر بارہ کتابیں ہیں مثلاً زبور، امثال سلیمان، ایوب، دعوت نوح، عذرا، دانیال وغیرہ۔

یاد رہے کہ تورات اور زبور دو الگ الگ کتابیں ہیں جن میں سے اول الذکر کا نزول حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوا اور آخر الذکر حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ یہودی ان دونوں کو ماننے ہیں اور انہیں آپس میں خلط ملط نہیں کرتے یہ الگ بات ہے کہ اب زبور کو بھی عہد نامہ عتیق کا حصہ بنا دیا گیا ہے لیکن کتاب ہونے کی حیثیت وہ اب بھی رکھتی ہے۔

تدوین و تالیف

موجودہ ترتیب کے ساتھ کتب مقدسہ کو مرتب کرنے کا زمانہ خود یہودی بھی آج

تک متفقہ طور پر طے نہیں کر سکے کیونکہ ۵۹۷ ق م میں جب بخت نصر نے یروشلم پر حملہ کیا تو کامل تین ماہ تک اس کا محاصرہ کئے رکھا اور کامیاب ہونے کے بعد تمام کتابوں کو ضائع کر دیا جس سے یہودی اپنے مذہبی مقدس درختے سے محروم ہو گئے تاہم ان میں موجود احکامات یہودی راہبوں کے ذہنوں میں موجود اور محفوظ تھے۔

تاریخی اعتبار سے بخت نصر کے حملے کے بعد ایک طویل عرصہ تک یہودی قید و بند کے مصائب جھیلتے رہے اور نصف صدی کے بعد اس قابل ہو سکے کہ دوبارہ تورات کو جمع کریں چنانچہ اس کا اہتمام کیا گیا جس میں سب سے اہم کردار حضرت عزیر علیہ السلام کا تھا۔

”جمع تورات“ کے اس مہتمم بالشان کام کو ابھی کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ ایک یونانی بادشاہ ”انطرنیس“ نے دوبارہ یروشلم پر حملہ کر دیا اور حضرت عزیر علیہ السلام کی جمع کردہ تمام کتابوں کو جلا دیا۔ یہودیوں نے اس جنگ سے فراغت کے بعد پھر ان کتابوں کو مدون کیا، کچھ عرصہ کے بعد رومی حملہ نے یہودیوں کو ایک مرتبہ پھر ان کے مذہبی درختے سے محروم کر دیا اور انہیں پھر از سر نو مرتب کرنا پڑا۔

ان کتب مقدسہ کے اس طرح بار بار ضائع ہونے کی وجہ سے یہ اپنی اصل حیثیت کو برقرار نہ رکھ سکے اور روایت بالمعنی کے طور پر ان کتابوں کو مرتب کیا جاتا رہا، نتیجہ یہ ہوا کہ اصل الفاظ محفوظ نہ رہ سکے اور اس کا مفہوم ہی باقی رہ گیا جو یہودیوں کو بھی مسلم ہے۔

کتب مقدسہ کی زبان

اس موقع پر یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ کیا یہودی مقدس کتابیں بھی عربی زبان میں نازل ہوئی تھیں یا ان کا مادہ تحریر کسی اور زبان کے الفاظ تھے؟ تو اس کے جواب میں یہودیوں کا کہنا ہے کہ ہماری مقدس کتابیں اصلاً تو عبرانی زبان میں نازل ہوئی تھیں لیکن بعد میں ان کی زبانیں تبدیلی ہوتی رہیں چنانچہ پہلے انہیں آرامی زبان میں جمع کیا گیا، پھر یونانی بادشاہ کے حملے کے نتیجے میں جب یہودی اسکندر یہ میں قید ہوئے تو وہاں

سے رہائی کے بعد یونانی زبان میں یہ کتابیں جمع ہوئیں۔ ایک طویل عرصے کے بعد تورات کو پھر عبرانی کی طرف منتقل کیا گیا اور سب سے آخر میں رومیوں کا غلام بننے کے بعد رومی زبان میں ان کا ترجمہ کیا گیا۔

تالمود یا تلمود

یہ بھی یہودیوں کی ایک مقدس کتاب اور مذہبی محیضہ ہے جس میں یہودیوں کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کی اولاد کے احوال مذکور ہیں اور یہ واحد کتاب ہے جس میں ”اقوال“ کو راویوں کی مکمل سند کے ساتھ جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، ویسے یہ ایک طویل کتاب ہے جس میں کچھ زیادہ معلومات اکٹھی نہیں کی جاسکیں۔

یہودیوں کی اس مقدس کتاب کو اگر ”متن“ قرار دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا جسے فلسطینی اخبار و علماء نے مل کر تحریر کیا تھا اور یہودیوں نے اس ”متن“ کا نام ”مشنا“ رکھا تھا جو بعد میں ”تالمود“ کے نام سے مشہور ہوا، اس متن کی دو طویل شرحوں کا حوالہ ملتا ہے، نام تو دونوں کا ”شمراہ“ ہے لیکن ان میں سے ایک شرح ”فلسطین“ میں لکھی گئی ہے اور دوسری ”بابل“ میں۔

﴿تورات و زبور میں تحریف کے اسباب﴾

اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنے اپنے زمانے میں تورات اور زبور اسی طرح واجب العمل تھیں جیسے آج قرآن کریم، تاہم قرآن کریم اس بات سے بھی روشناس کراتا ہے کہ اب تورات اور زبور اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہیں اور ان میں تحریف ہو چکی ہے جس کے چند اسباب ہیں اور وہ یہ ہیں۔

- (۱) وہ خوریز جنگیں جو یہودیوں کو لڑنا پڑیں، کتب مقدسہ میں تحریف کا سب سے بڑا سبب اور سب سے اہم وجہ ہیں جس کا انکار متعصب سے متعصب آدمی بھی نہیں کر سکتا خاص طور پر اس وقت جبکہ ان کتابوں کو نذر آتش کرنا یہودی خود بھی تسلیم کرتے ہیں نیز یہ کہ تورات کے نسخے ہر دور میں تواتر کے ساتھ کبھی موجود نہیں

رہے۔

(۲) کتب مقدسہ کی زبانیں تبدیل ہونا بھی اسباب تحریف میں سے ہے بالخصوص جبکہ بعد میں روایت بالمعنی ہی کو کافی سمجھا جانے لگا۔

(۳) ان کتب مقدسہ کا عدون و مرتب اولی مجہول اور نامعلوم ہونا بھی اسباب تحریف میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ جب یہی معلوم نہیں کہ اس کتاب کا مرتب کون ہے؟ تو پھر اس میں موجود مضامین کے متعلق کوئی یقینی بات کہنا کیسے صحیح ہوگا؟ اور یہ بات بھی یہودیوں کو تسلیم ہے۔

(۴) کتب مقدسہ میں تحریف کا ایک واضح ثبوت وہ حالات و واقعات ہیں جو اگرچہ ان میں موجود ہیں لیکن ان کا ظہور نزولِ تورات و زبور کے کئی سو سال بعد ہوا۔ اس کی مثال دیتے ہوئے پروفیسر لیاقت علی عظیم تحریر فرماتے ہیں۔

”جیسے پھر اسرائیل نے کوچ کیا اور اپنا خیمہ ”مجدل عدر“ کے پاس پار کھڑا کیا (پیدائش: ۲۱:۳۵) تاریخ بتلاتی ہے کہ ”مجدل عدر“ بیت المقدس کے ایک مینار کا نام ہے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سات سو سال بعد حضرت سلیمانؑ نے تعمیر کروایا تھا۔“

(غرائب کا کافی مطالعہ ص ۲۵۲)

ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مجدل عدر کے پاس اپنا خیمہ قائم کرنا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب وہ مینار موجود بھی ہو حالانکہ اس وقت اس مینار کا نام و نشان تو دور کی بات تصور تک نہیں تھا اور اس کی تعمیر سینکڑوں سال کے وقفے کے بعد ہوئی۔

(۵) ان اسباب اور وجوہات کے ساتھ ساتھ ایک اہم ترین وجہ یہ بھی ہے کہ ان کتابوں کی حفاظت بندوں کے سپرد کی گئی تھی جس سے عہدہ برآ ہونا ان کیلئے مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی تھا اور ہمارے لئے تو یہی بس ہے کہ قرآن کریم نے انہیں محرف قرار دیا ہے اس لئے ہم پر اسے محرف ماننا ضروری ہے۔

(۶) یہودی تاریخ اس بارے بھی خاموش ہے کہ تورات کے مرتب کے پاس ان معلومات کی صحت کو جانچنے کا کیا معیار تھا؟ پھر وہ معیار صحیح بھی تھا یا نہیں؟

(۷) آجکل کا عبرانی رسم الخط اس دور کا عبرانی رسم الخط نہیں جبکہ نزول تورات ہوا تھا پھر موجودہ تورات کو گو کہ وہ عبرانی ہی میں ہو، کیسے اصل قرار دیا جاسکتا ہے؟

(۸) یہ بات ہمیشہ مسلم رہی ہے کہ یہودیوں کو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد سے نفرت شروع ہی سے ہے، اسی وجہ سے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ”ذبح اللہ“ ماننے کی بجائے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح اللہ قرار دینے پر مصر ہیں اور اسی عناد کی وجہ سے انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد کے متعلق تورات میں وارد شدہ تو صنفی جملوں کو ختم کر کے ان کی جگہ تحقیر آمیز کلمات کو شامل کر دیا ہے جو تحریف کی ایک بدترین مثال ہے اور اس کا سبب بھی وہی ”نفرت“ ہے۔

اس کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کی آمد یا سعادت سے متعلق جو پیشین گوئیاں اور آپ کے وجود یا جود کی علامات و آیات تورات میں موجود تھیں، انہیں بھی جن جن کر نکال دیا گیا کیونکہ آپ ﷺ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کی نسل میں سے تھے جن کا نام بن کر ہی یہودیوں کے تن بدن میں آگ لگ جاتی تھی اور وہ اپنی آگ میں آپ ہی جلتے لگتے۔

اس کے علاوہ بے شمار اسباب و محرکات تورات اور دیگر کتب مقدسہ میں تحریف کا سبب بنے اور وہ اپنی اصیت کھو بیٹھیں۔

﴿یہودیوں کے تہوار و رسومات﴾

یہودیوں کے یہاں مختلف قسم کے تہوار پائے جاتے ہیں اور وہ انہیں بہت اہتمام سے مناتے ہیں، اس کا مختصر سا تذکرہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

یوم السبت

یہ نیک ہفتہ وار تہوار ہے جو ہفتہ کے دن ایک جشن کے طور پر منایا جاتا ہے، اس تہوار میں ہر یہودی کی شرکت ضروری ہوتی ہے، اسی لئے ہفتے کے دن یہودی اپنا کاروبار

کمل طور پر بند رکھتے ہیں اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دی جاتی ہے۔

عید فصیح

یہودیوں کیلئے ملک مصر سے آزادی اور اور گلو خلاصی ایک بہت بڑی نعمت تھی جس کی یاد میں آج بھی یہودی ”عید فصیح“ کے نام سے ایک تہوار مناتے ہیں اور اس میں کھانے کی ایسی چیزیں تیار کی جاتی ہیں جن سے سفر کی یاد ذہن میں تازہ ہو جائے کیونکہ بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی نہایت بخلت کی حالت میں ہوئی تھی اس لئے وہ کھانے پینے کی چیزیں بھی اپنے ساتھ صحیح طریقے سے نہ رکھ سکے تھے اور یہی وجہ ہے کہ اس دن قربانی کے جانوروں کو صحیح سالم بھون لیا جاتا ہے، انکی ہڈیوں کو توڑا یا کاٹا نہیں جاتا۔ یاد رہے کہ یہ تہوار آٹھ دن تک مسلسل منایا جاتا ہے۔

یوم النخیس یا یوم النخسین

عید فصیح سے چھاس دن گزرنے کے بعد یہ تہوار منایا جاتا ہے اور اس میں ادا کی جانے والی رسم کی نوعیت دوسری رسوم سے مختلف اور جدا گانہ ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اس تہوار کے موقع پر یہودی راہب گندم کی دو خمیری روٹیاں پکواتے ہیں، پھر سات بھینریں یا ایک تیل یا دودھ بنے ذبح کرتے ہیں جس سے تیشوں، بیواؤں اور مسکینوں کی دعوت کی جاتی ہے۔

یوم ختنہ

کسی یہودی کے گھر میں بچہ کی پیدائش ہو تو وہ لوگ آٹھ دن کے بعد اس بچے کے ختنہ کروا کر یوم ختنہ مناتے ہیں اور اس دن کو اس بچے کے بارے اللہ سے عہد کا دن قرار دیتے ہیں، یاد رہے کہ یہودی بچے اور بچیوں دونوں کا ختنہ کرواتے ہیں لیکن بچیوں کے ختنے کا یہ رواج صرف موجودہ یہودیوں میں ہے، قدیم یہودی اس سے لا تعلق تھے۔

یوم پوریم

اس سے مراد وہ تہوار ہے جو یہودی گیارہ فردری کو ”ہامان“ کے ہاتھوں سے بچ

نکلنے کی خوشی میں مناتے ہیں۔

یوم چولوکاہ

اس سے مراد وہ تہوار ہے جو یہودی اپنی اس فتح کی یاد میں مناتے ہیں جس میں ان کے ایک کمانڈر نے شامی افواج پر فتح حاصل کی تھی۔

یوم ہاترموت

قدیم یہودیوں میں اس تہوار کا کوئی تصور موجود نہیں تھا، یہ ایک جدید تہوار ہے جو فلسطین میں اسرائیلی حکومت کے قیام کی یادگار کے طور پر منایا جاتا ہے اور اس میں ہر ایک شریک ہوتا ہے۔

رسم قربانی

یہودی عادت تھی کہ وہ روزانہ صبح و شام قربانی دینا اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے جس کیلئے چوپاؤں میں سے بھیڑ اور بکری کی قربانی، پرندوں میں سے فاختہ اور کبوتر کی قربانی کو ترجیح دی جاتی تھی۔ اور قربانی کیسے منتخب کیا جانے والا جانور یہ پرندہ صبح سالم اس آگ میں ڈال دیا جاتا تھا جو یہودیوں کے عبادت خانے میں ہر وقت جلتی رہتی تھی۔ اگر کسی شخص سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو اس کی تلافی بھی ”قربانی“ کے ذریعہ ہی کی جاتی تھی، اسی طرح فصل کی کٹائی اور اس کی تکمیل کے موقع پر بھی قربانی پیش کی جاتی تھی۔

مختلف مواقع پر ہونے والی قربانی کے علاوہ اس کا ایک عمومی موقع بھی متعین تھا جس کیلئے یہودیوں کے یہاں سات کا عدد انتہائی اہمیت کا حامل تھا، چنانچہ ہفتے کا ساتواں دن وہ انتہائی مقدس سمجھتے تھے۔ اسی طرح ساتواں مہینہ اپنے ابتدائی ایام میں ”قربانی“ کیلئے مخصوص ہونے کی وجہ سے بہت اہم تھا، ہر ساتویں سال کو بھی خوب اہمیت دی جاتی تھی اور اسی کی مناسبت سے کاشت کاری تک نہیں ہوتی تھی حتیٰ کہ مقرضوں کو قرضے بھی معاف کر دیئے جاتے تھے۔

اسی طرح ہر انچا سواں سال بھی یہودیوں کیلئے بہت اہمیت کا موقع ہوتا ہے۔ اس دن وہ باقاعدہ جوہلی مناتے ہیں اور اسے اپنے لئے ”یوم کفارہ“ سمجھتے ہیں۔

رسم عقیقہ

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ عقیقہ کا معنی وہ مخصوص جانور ہوتا ہے جو بچے کی پیدائش کے ساتویں دن ذبح کیا جائے لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ عربی میں عقیقہ کا معنی ”نوزائیدہ بچے کے بال“ آتا ہے تاہم مجازی طور پر مذکورہ معنی مراد لینا بھی صحیح ہے۔

عقیقہ کا ثبوت یہودی مذہب سے بھی ملتا ہے اور مدینہ منورہ میں یہودیوں کا عقیقہ کرنا بھی مذکور ہے لیکن ان کے عقیقہ اور ہمارے عقیقہ میں ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں لڑکے کی پیدائش پر دو اور لڑکی کی پیدائش پر ایک جانور ذبح کیا جاتا ہے جبکہ یہودیوں کے یہاں لڑکے کی پیدائش پر ایک جانور اور لڑکی کی پیدائش پر کچھ بھی ذبح نہ کرنے کا معمول تھا، نیز یہودیوں کے یہاں عقیقہ میں ذبح کئے ہوئے جانور کا خون بچے کے سر پر لگایا جاتا ہے جبکہ اسلام میں اس قسم کی لغو حرکت کا کوئی تصور نہیں ہاں! البتہ نوزائیدہ بچے کے سر پر ”زعفران“ لگانے کا حکم اور تذکرہ ضرور ملتا ہے لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اس حکم سے ناواقف ہے۔

یہودیوں کا سب سے اہم تہوار

اب تک یہودیوں کے جتنے تہوار اور رسمیں مذکور ہوئیں، ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلم، لیکن ایک تہوار ایسا ہے جسے تمام تہواروں میں ایک خصوصی مقام اور تقدس حاصل ہے اور وہ ہے ”یوم کفارہ“۔

یہودی اپنے سال نو کے آغاز میں ایک دس روزہ تہوار مناتے ہیں جس کے اختتام پر اپنے گناہوں کی معافی، سال نو کیلئے خصوصی دعائیں اور صدقہ و خیرات کا عمومی اہتمام کیا جاتا ہے، یوم کفارہ کے موقع پر کھانے پینے کی چیزوں کی طرف توجہ کی بجائے روایتی اعمال کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ اسے یہودیوں کے یہاں ”یوم کفارہ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

﴿دین موسوی میں عبادت کے مختلف طریقے﴾

دین موسوی چونکہ مبنی بر وحی تھا اس لئے اس میں عبادت کے جتنے بھی طریقے مروج تھے، سب میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ ہی عرصہ بعد یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی بجائے ”یہوداہ“ کو مخاطب کر کے اس سے دعائیں مانگنا شروع کر دیں اور پھر اپنے سابقہ طریقے کی طرف لوٹ گئے۔

یہوداہ سے مانگی جانے والی ان دعاؤں کو منظوم شکل دی گئی اور پڑھنے والوں کو ہدایت کی گئی کہ ان منظوم دعاؤں کو پڑھتے ہوئے اپنے اوپر ایسی کیفیت طاری کریں جس سے سننے والا جذباتی انداز میں متاثر ہو سکے۔

ان منظوم دعاؤں میں ”یہوداہ“ کی تعریف و توصیف کی گئی ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی گئی ہے، ایک زمانے تک یہودی یہ دعائیں اجتماعی طور پر پڑھتے رہے ہیں لیکن جب مختلف اوقات میں ان پر حملے ہونا شروع ہوئے تو یہ مختلف ممالک میں پھیل گئے اور انفرادی طور پر دعاؤں کی صورت میں یہ عبادت کرتے رہے اور یروشلم سے دور ہونے کا صلہ یہ نکالا کہ اپنے گھروں کی کھڑکیاں یروشلم کے رخ پر بنالیں اور یہ عادت بنائی کہ جب عبادت کا وقت آتا تو ان کھڑکیوں کو کھول کر یروشلم کی طرف منہ کر کے دعائیں مانگا کرتے تھے۔

یہودی ٹوپی

یہودیوں کی ٹوپی چھوٹی سی اور جالی دار ہوتی ہے، کوئی بہت بڑی ٹوپی وہ نہیں پہنتے اور جہاں بال گھومتے ہیں صرف اتنے حصے پر اسے پہنتے ہیں، ان کے جھنڈے پر جتنے کونوں والا ستارہ بنا ہوتا ہے، بالکل ویسا ہی ستارہ ان کی ٹوپی پر بھی بنا ہوتا ہے جو کہ اس کی شناختی علامت ہے۔

﴿دین موسوی کی تعلیمات﴾

یہودیوں کی وہ تعلیمات جنہیں وہ ”دین موسوی“ کی حیثیت سے جانتے اور پہچانتے ہیں ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کی اسلام بھی تصدیق کرتا ہے اور بعض اسلام سے صریح منافی ہیں، ذیل میں ان کا ایک مختصر سا خاکہ ذکر کیا جا رہا ہے۔

خدا اور اس کی صفات

یہ بات گزر چکی ہے کہ یہودیوں کے یہاں اپنے خدا کا نام لینا ممنوع ہے یہ الگ بات ہے کہ اس خدا سے مراد ”یہوداہ“ ہے، تاہم زیور کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند آسمان پر دیکھتا ہے، وہ سارے بنی آدمی پر نگاہ رکھے ہوئے ہے اور اس کا تخت آسمان پر موجود ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تو رات کی تعلیمات کے علی الرغم یہودیوں میں عورت کا عقیدہ اپنی جڑیں اتنی مضبوط کر چکا تھا کہ قرآن کریم کو بھی کہنا پڑا۔

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ﴾ (التوبة: ۳۰)

”ابن اللہ“ کا یہ عقیدہ درحقیقت عقیدہ توحید کے خلاف ایک کھلی بغاوت اور اس پر ضرب کاری ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری طرف غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی کسی ”قومی خدا“ کو اپنا معبود بنائے بیٹھے ہیں، کیونکہ موجودہ عہد نامہ قدیم میں جگہ جگہ خدا کی نسبت اسرائیل کی طرف کر کے اسے بے جا طور پر مقید کیا گیا ہے۔

تصور ملائکہ

یہودیوں میں ملائکہ کے متعلق جو تصورات اور اعتقادات پائے جاتے ہیں انہیں دو حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

- (۱) فرشتے انسانوں سے افضل ہیں۔
- (۲) فرشتے خدا کے مقدس بیٹے ہیں۔

چنانچہ زبور میں فرشتوں کو ”لشکر خداوندی“ اور کتاب پیدائش میں ”مشیران خدا“ قرار دیا گیا ہے جبکہ کتاب اعداد زبور اور سموئیل دوم میں فرشتوں کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فرشتے خدا کی مرضی سے چلتے ہیں، اسی کے حکم کو نافذ کرتے ہیں اور خدا کی مرضی انسان پر ظاہر کرتے ہیں۔

کتاب پیدائش ہی کے مطالعے سے فرشتوں کا ایک اور رخ بھی واضح ہوتا ہے جس کے مطابق فرشتوں کی ایک جماعت گناہگار ہو گئی تھی جس کی وجہ سے وہ انسانوں سے بھی الگ ہو گئے، اسی تناظر میں یہودی بعض فرشتوں کے متعلق نازیبا الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنا دشمن قرار دیتے ہیں۔

نظریہ تخلیق کائنات

تخلیق کائنات سے متعلق یہودیوں کا نظریہ قرآن کریم سے نہیں ٹکراتا چنانچہ کتاب پیدائش باب نبرا میں یہ تحریر موجود ہے کہ ”خدا نے کہا تمام پانی آسمان کے نیچے جمع ہو جائے اور خشکی نظر آئے چنانچہ ایسا ہی ہوا“۔

اسی طرح کتاب خروج آیت نمبر ۱۷ تا ۲۰ کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند نے چھ دن میں آسمان و زمین اور دریا (وغیرہ) سب کچھ بنا دیا لیکن اس کا اگلا جملہ اسلامی تعلیمات و اعتقادات کے یکسر منافی ہے اور وہ یہ ہے کہ پھر ساتویں دن خداوند کریم نے آرام کیا، تازہ دم ہونے کے بعد وہ پھر تخلیق کائنات کے عمل میں مصروف ہو گیا۔ یاد رہے کہ یہ ساتویں دن ہفتہ کا دن تھا اسی لئے یہودی ہفتہ کے دن کوئی کام نہیں کرتے۔

نظریہ عصمت انبیاء

عہد نامہ عتیق کے سرسری مطالعے سے انسان ایک لمحے کیلئے تو یہ سمجھتا ہے کہ اس میں عصمت انبیاء پر کوئی حرف گیری نہیں کی گئی اور نہ ہی کوئی ناشائستہ زبان زیر استعمال رکھی گئی ہے۔ لیکن جب اس کا تفصیلی اور عمیق مطالعہ کیا جاتا ہے تو انبیاء کرام اپنے وصف نبوت و عصمت سے تو درکنار العیاذ باللہ درجہ انسانیت سے بھی پست نظر آتے ہیں اور محسوس ایسا ہوتا ہے کہ یہ کتاب ”وحی الہی“ کی ترجمان نہیں، کسی متعصب اور انتہائی زبان دراز

انسان کا سیاہ نامہ اعمال ہے جو اس نے اپنی بد بختی پر مہر تصدیق ثبت کرنے کیلئے رخ قرطاس پر توپ دیا ہے۔

اس دعویٰ کے دلائل تو بے شمار ہیں لیکن انہیں صفحہ قرطاس پر صرف نخل کرنا اتنا ہونا ک اور خطرناک احساس ہے جس کے تصور سے ہی رو ٹکٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تاہم لرزتے قلم کے ساتھ چند باتیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

عہد نامہ عتیق میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کی کشتی کا منظر دکھایا گیا ہے اور یہ راگ الاپا گیا ہے کہ ”ایک مرتبہ خدا نے رات بھر حضرت یعقوب علیہ السلام سے کشتی لڑی اور دونوں میں بیچ برابر رہا“، اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کا نشہ آور مشروب پینا اور اس کی وجہ سے برہنہ ہو جانا، حضرت داؤد علیہ السلام کا اوریا کی بیوی سے عشق کے داؤ بیچ لڑنا، حضرت سلیمان علیہ السلام کا عورتوں سے اپنا حرم سرا بھری لینا وغیرہ افسانے وہ بیہودہ اور ناپاک الزامات ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کیسے تراشے گئے۔

اس کے علاوہ کفر و شرک، جھوٹ، چوری، دھوکے بازی، شہوت پرستی اور بت پرستی وغیرہ جیسے گھناؤنے افعال کو اس قدسی صفات جماعت کی طرف منسوب کیا گیا اور خوب دل کھول کر اپنی بھڑاس نکالی گئی، اس سلسلے میں حضرت لوط علیہ السلام پر ایک نہایت شرمناک الزام اور ان کی حور صفت عفت مآب بیٹیوں پر تہمت یہ دھری کہ بیٹیوں نے باپ کو شراب پلا کر مدہوش کر دیا اور باری باری لہنیباپ سے ہم بستری کی، حاملہ ہو کر بچے جنم دیئے اور ان سے اپنی نسل کو بقادی۔ (العیاذ باللہ)

اے کاش! یہ حوالہ نقل نہ کرنا پڑتا لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ ہم آج بھی ”یہود“ کے گن گائے چلے جا رہے ہیں، اپنی تہذیب و تمدن ان سے مستعار لے رکھی ہے، زندگی گزارنے کے طریقے انہیں سے حاصل کرتے ہیں اور ان چیزوں کو نظر انداز کرتے چلے جاتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ اسلام رواداری کا مذہب ہے لیکن رواداری کا مطلب ”بے غیرتی“ کب سے ہو گیا؟ یاد رکھیں! اپنے قومی اور مذہبی ورثے کی حفاظت اور اپنے مقدس افراد کی عزت و احترام ہر مسلمان کے ایمان کا ایک جزو غیر منفک ہے اور وہ اس معاملے میں کسی سے سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔

عقیدہ آخرت

زمانہ قدیم میں یہودی قیامت اور جزا و سزا کے قائل تھے، جنت اور جہنم کا اعتقاد بھی ان میں موجود تھا، خود قرآن کریم میں یہود کے ان نظریات کو بیان کیا گیا ہے لیکن دور حاضر میں یہودی عقیدہ آخرت کو بالکل بھلا چکے ہیں اور ان کا موجودہ نقطہ نظر اسلامی نقطہ نگاہ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور چونکہ اس وقت میڈیا پر دو طاقتوں (یہود اور ہندو) کا قبضہ ہے اور یہ دونوں ہی عقیدہ آخرت سے دستبردار ہیں اس لئے ہمارے عقائد پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے وہ ہمارے ذہنوں میں جو کچھ بھرنے چاہیں انہیں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔

حقوق العباد اور یہودیت

”احکام عشرہ“ یہودیوں کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کی نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے، ان دس احکامات میں ”حقوق العباد“ کی ادائیگی بہت زیادہ اہم قرار دی گئی ہے، تاہم اس میں بھی بعض باتیں اسلام کے اصولوں سے متصادم ہیں۔

چنانچہ تورات کی عبرانی زبان میں ”بیوی“ کو ”بصول“ کا نام دیا گیا ہے جس کا معنی ”جائیداد منقولہ“ ہے، اس اعتبار سے شوہر اپنی بیوی کا مالک ہے اور شوہر کے انتقال کے بعد اس کی دوسری جائیداد کی طرح وراثت میں اس کی بیوی کو بھی تقسیم کر دیا جائیگا۔

دین موسوی میں نکاح کے بعد عورتوں کو حق مہر دینے کا حکم ملتا ہے نیز عہد نامہ عتیق کے مطابق ایک سے زائد بیویاں اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے، اسی طرح کتاب استثناء میں طلاق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر عورت مرد کی نظر میں عزیز نہ رہے یا اس سے کوئی ناپاک بات ظاہر ہو تو وہ ”طلاق نامہ“ لکھ کر اس کے ہاتھ میں دیدے اور اسے اپنے گھر سے باہر کر دے۔

اسی طرح ذیل کی عبارت بھی کتاب استثناء کی ہے۔

”اگر کوئی آدمی کسی کنواری لڑکی کو پالے، پھر اس کے ساتھ ازدواجی

تعلقات قائم کرے (زنا کا مرتکب ہو) اس کے بعد وہ دونوں

بکڑے جائیں تو لڑکا اس لڑکی کے باپ کو بچاؤس مشقال چاندی فی گھنٹہ کے اعتبار سے ادا کرے اور آئندہ یہ لڑکی اس کی بیوی شمار ہوگی جسے وہ زندگی بھر طلاق نہ دے۔“

جہاں تک یہودی مذہب میں عورت کی وراثت کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں یہ بات واضح ہے کہ عورت وراثت کی حق دار نہیں ہے۔ لہذا عورت کی کمائی تقسیم ہوگی، شادی سے پہلے عورت کی کمائی اس کے ماں باپ کی ہوتی ہے اور شادی کے بعد اس کے شوہر کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔

دیگر احکامات میں سے ”شراب نوشی“ یہودیت میں قطعی طور پر حرام ہے، اسی طرح ”سود“ بھی مکمل حرام ہے اور کتاب احبار کے مطابق خنزیر کا گوشت بھی یہودیوں کے نزدیک حرام ہے۔ نیز کتاب احبار، استثناء اور سموکیل میں یہودیوں کو طہارت اور پاکیزگی کی بہت تاکید کی گئی ہے چنانچہ آج بھی یہودی اپنے آپ کو بہت پاکیزہ سمجھتے ہیں گوکہ حقائق کی دنیا سے اس کا دور دورہ تک کوئی تعلق نہ ہو۔

﴿یہودیوں کے مختلف فرقے اور ان کے نظریات﴾

دیسے تو یہودی مذہب میں فرقوں کی بہتات اور نظریات کی بھرمار ہے تاہم یہاں چند اہم اور بڑے بڑے فرقوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سامارٹی فرقہ

یہودیوں کے اس فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنے آپ کو عوام کے ساتھ خط و ملت نہیں کرتے، بلکہ الگ تھلگ رہنا پسند کرتے ہیں جیسے فقیر اور اچھوت قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

ایسینی فرقہ

اس فرقے سے تعلق رکھنے والے یہودیوں کو عام طور پر ”سوشلسٹ یہودی“ بھی کہہ دیا جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ ہر چیز میں دوسروں کی ملکیت اور شرارت کے قائل ہیں،

اسی وجہ سے یہ لوگ تنہائی پسند، گوشہ نشین اور شادی بیاہ سے کوسوں دور رہتے ہیں اور کسی قسم کی جائیداد نہیں بناتے۔

ناسکھ فرقہ

اس فرقے سے تعلق رکھنے والے یہودیوں کے نزدیک ”ایمان“ سبب نجات نہیں بلکہ نجات کا اصل ذریعہ ”علم“ ہے اس لئے یہ لوگ علم کو ایمان پر مقدم رکھتے ہیں۔

کارائی فرقہ

اس فرقے سے تعلق رکھنے والے یہودیوں کو ”مذہب ظاہری کا فرقہ“ بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ یہ فرقہ کتب مقدسہ میں موجود الفاظ کے ظاہر پر عمل کرنے کی سختی سے پابندی کرتا ہے، باطن سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

فریسی فرقہ

اس فرقے کے لوگ یہودیوں کے یہاں فقہاء، قانون دان، راہب، عبادت گزار اور منشی کے طور پر پہچانے جاتے ہیں، یہ لوگ حیات بعد الحیات، جزا و سزا اور جنت و جہنم کے بھی قائل ہیں۔

صدوقی فرقہ

اس فرقے کے یہودیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ ”اللہ“ صرف ”رب اليهود“ ہے، جنت، جہنم اور قیامت کی کوئی حقیقت نہیں اور اجتہاد باطن چیز ہے، یہ لوگ صرف لفظی قوانین کی پیروی کرتے ہیں جس میں ان کے نزدیک کوئی ترمیم اور اضافہ درست نہیں ہے اور یہ کہ انسان کے اچھے اور برے اعمال کا بدلہ اسی دنیا میں مل جاتا ہے۔

کاہنی فرقہ

اس فرقے سے تعلق رکھنے والے یہودی اپنے آپ کو مذہبی اصول کا پابند قرار دیتے تھے اور یہکل (مخصوص عبارت گاہوں) کو اپنا مرکز بنا کر اس کی خدمت کرتے اور

لوگوں سے نذرانے وصول کرتے تھے، اس فرقے سے تعلق رکھنے والے کا بہن مختلف کتابیں لکھ کر انہیں ”وحی الہی“ کا درجہ بھی دیتے رہے ہیں۔

﴿یہودیت اور اسلام کا تقابلی جائزہ﴾

یہودیت اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کرنے سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اس مقام پر اسلام کے ساتھ اس یہودیت کا تقابل کرنا ہرگز مقصود نہیں جس کے پیغام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء بنی اسرائیل تھے بلکہ یہاں جدید یہودیت کو اسلام کے مقابلے میں لا کر کھڑا کیا جا رہا ہے تاکہ ہمارا نوجوان یہودیت کی طرف لپٹائی ہوئی نظروں سے دیکھنا چھوڑ دے اور اپنے مسلمان ہونے پر بارگاہ ایزدی میں سجدہ شکر بجالائے۔

نظریہ مہویت اور توحید

یہودیت اپنی ابتداء میں نہ صرف یہ کہ عقیدہ توحید کی غمبردار تھی بلکہ اس کی مبلغ بھی تھی لیکن حضرت عزیر علیہ السلام کے انتقال کے بعد ”نظریہ مہویت“ نے ان میں بہت تیزی سے اپنی جڑیں مضبوط کرنا شروع کر دیں اور یہود انہیں ”ابن اللہ“ قرار دینے لگے جو کہ اسلامی تعلیمات کے صاف شفاف آئینے میں انتہائی گہرا اور بدنامدار غ ہے اس لئے اسلام نے کہیں بھی اس باطل عقیدے کو پینے کا موقع نہیں دیا اور ہمیشہ توحید کی کھری اور صاف ستھری تعلیم دی ہے۔

مذہبی دستور کی حفاظت

یہودی بھی اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ان کی مذہبی اور مقدس کتاب ”تورات“ زمانے کی دستبرد اور تحریف و تغیر سے محفوظ نہیں رہ سکی اور تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عہد نامہ عتیق تضاد و جانہوں اور حک و اضافہ کا شکار ہو چکا ہے جبکہ اسلام کا مذہبی دستور اپنے یوم نزول سے لیکر آج تک صحیح و سالم موجود و محفوظ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک ہی نہیں بلکہ قیامت کے بعد تک قائم و دائم رہے گا۔

ہفتہ، آرام کا دن

تخلیق عام کے ضمن میں اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے کہ چھ دن میں تخلیق عالم سے فراغت پا کر خداوند تھک گیا تھا اس لئے تازہ دم ہونے کی نیت سے ہفتہ کے دن اس نے آرام کیا جبکہ اسلام نے ہمیں جس خدا سے روشناس کروایا ہے، تھکاوٹ اس کے قریب تو کیا دور سے بھی نہیں گزرتی کیونکہ جو تھک گیا اسے خدا ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام

اسلام میں ”عصمت انبیاء“ کا عقیدہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے لیکن یہودیوں نے اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس عقیدے کی بھی خوب دجھیاں بکھیری ہیں۔

عورت کی وراثت

یہودی مذہب میں عورت کو وراثت ملنا تو دور کی بات، اسے اپنی کمائی کا بھی حقدار نہیں سمجھا گیا جبکہ اسلام نے عورت کو وراثت میں بھی حصہ دار قرار دیا اور اسکی کمائی کی ملکیت بھی اسی کے ہاتھ میں رکھی ہے۔

تہوار اور ان کی رنگینی

یہودیت نے اپنے پیر و کاروں کو مختلف النوع تہواروں کے چکر میں الجھا رکھا ہے جبکہ اسلام نے اپنے پیر و کاروں کو سالانہ طور پر دو تہوار دیے ہیں اور انہیں بھی ایک جشن کی حیثیت سے پیش کرنے کی بجائے ایک عظیم الشان عبادت کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اسی طرح فرشتوں سے متعلق بھی یہودیوں کے عقائد مبہم اور غیر واضح ہیں جبکہ اسلام نے فرشتوں کی تعریف ایک ایسی نورانی مخلوق سے کی ہے جس میں نافرمانی کا مادہ اور جذبہ ہی نہیں رکھا گیا، اطاعت اور فرمانبرداری ان میں کوٹ کوٹ کر بھردی گئی ہے۔ انہیں خدا کے بیٹے اور بیٹیاں یا مشیر سمجھنا اسلام میں قطعاً ناجائز ہے۔

باب نہم

﴿عیسائیت﴾

بعثت عیسوی سے قبل مذہبی و سیاسی حالات، مخالفت یہود
کے دجروہ و اسباب، تعلیمات عیسوی، کتب مقدمہ،
تحریف انجیل کے اسباب، تہوار اور رسومات،
مختلف فرقے، اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ

باب نہم

﴿عیسائیت﴾

مذہب عالم میں ”عیسائیت“ کو ایک کلیدی اہمیت حاصل ہے اور گو کہ ان کی کتاب انجیل بھی تحریف و تغیر کا شکار ہوئے بغیر نہ رہ سکی لیکن یہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم نے یہودیوں اور عیسائیوں کی کو ”اہل کتاب“ قرار دیا ہے پھر دنیا میں ایک بہت بڑی جماعت اپنی مذہبی عقیدت کا مرکز عیسائیت کو سمجھتی ہے اس لئے سب سے پہلے بعثت عیسوی سے قبل کے حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل مذہبی حالات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے سے پہلے مذہبی طور پر ”یہودیت“ کے نام لیوا موجود تھے لیکن ان میں باہم اتفاق و اتحاد نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی اور وہ مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے تھے، اس کے علاوہ کچھ اور مذاہب بھی موجود تھے لیکن وہ اختزائی مذاہب تھے، آسمانی مذاہب نہ تھے اور وہ بھی مختلف فرقوں کی صورت میں موجود تھے۔

یہودیوں کے جو اہم فرقے اس وقت موجود تھے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) صدوقی فرقہ (۲) فریسی فرقہ

(۳) کاہنی فرقہ

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل کچھ لوگ مذہب کے ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے اور انہیں ”احبار“ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، یہ لوگ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے میں بڑے ماہر تھے اس لئے یہودیوں نے انہیں خوش ہو کر ”فتہاء یہود“ کے گرائفہ خطاب سے بھی نوازا رکھا تھا۔

مذہب کی ٹھیکیداری کے ساتھ ساتھ ”جنت کی ٹھیکیداری“ بھی انہوں نے ہی سنبھال رکھی تھی، جسے چاہتے جنت کا ٹکٹ دیدیتے اور جسے چاہتے پروانہ جنت سے محروم کر

دیتے، لوگوں سے بھاری نذرانے وصول کر کے انہیں شیر مادر سمجھ کر ہضم کر جاتے، لوگ بھی جاہل تھے اس لئے ان کی علیست پر اعتماد کر کے حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں انہی کا فتویٰ مانتے تھے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل یہودیوں میں شرکانہ رسوم و عقائد بھی موجود تھے اور غضب تو یہ ہے کہ چوری، جھوٹ، دھوکا، بغض و عناد اور کینہ و حسد کو اخلاقیات کا درجہ دے رکھا تھا، احبار در بہان دنیاوی اغراض و مقاصد اور اپنے مفادات کی خاطر کتاب اللہ یعنی تورات میں تحریف کے مرتکب ہو رہے تھے غرض یہ کہ ہر طرف بد نظمی، بد اخلاقی اور بد عقیدگی کا دور دورہ تھا اور مذہبی طور پر یہودی انتہائی پستی کا شکار ہو چکے تھے۔

آمد عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کے سیاسی حالات

سیاسی طور پر بھی اس وقت یہودی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے تھے اور وہ سیاسی بحران سے گزر رہے تھے چنانچہ ۹۳۱ ق م میں یہودی سلطنت "فلسطین" میں زوال آ گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل اسکندر نے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا جن میں ایران بھی شامل تھا، اس نے وہاں کے تمام آتش کدوں کو ختم کر دیا، یہودیوں پر زمین کو تنگ کر دیا اور ہیکل سلیمانی کو تباہ کر دیا۔

چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد سیاسی طور پر یہودی بہت اکھاڑ پچھاڑ سے دوچار ہوئے تھے اور پریشانی و زوال ان کا مقدر ہو چکا تھا اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل وہ درو کر یہ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں کوئی بادشاہ ایسا پیدا فرمادیں جو یہودیوں کے دشمنوں کو تباہ کر دے اور یہودیوں کو عظمت دے، بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل یہودی ایک نجات و ہندہ کے منتظر تھے۔

انجیل کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

انجیل متی کے مطابق یسوع مسیح کی پیدائش کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ جب

ان کی والدہ کی مقلیٰ یوسف نامی شخص کے ساتھ ہوئی، تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ ”روح القدس“ کی قدرت سے حاملہ پائی گئیں، ان کے شوہر نے جو کہ راست باز تھا، انہیں بدنام نہیں کرنا چاہا اس لئے انہیں چپکے سے چھوڑ دیا۔

وہ اس معاملے میں ابھی متفکر ہی تھا اور ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتے نے اسے خواب میں کہا کہ اے یوسف ابن داؤد! اپنی بیوی مریم کے اپنے یہاں آنے سے خوفزدہ نہ ہو کیونکہ اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے، اس کے یہاں بیٹا پیدا ہوگا، اس کا نام ”یسوع“ رکھنا کیونکہ وہی لوگوں کو اپنے گناہوں سے نجات دلائے گا، یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ خداوند نے نبی کی معرفت جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔

دیکھو! ایک کنواری حاملہ ہوگی، بچہ جنے گی، اس کا نام ”عمانویل“ رکھنا جس کا ترجمہ ہے ”خدا ہمارے ساتھ ہے۔“

انجیل کے دیگر حصوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے موقع پر پیش آنے والے حالات و واقعات کو بھی درج کیا گیا جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب یسوع، ہیرودیس نامی بادشاہ کے زمانے میں یہودیہ کے بیت اللحم میں پیدا ہوا تو کئی مجوسی، یورپ (اس وقت کے مشرق) سے یہ کہتے ہوئے آئے کہ یہودیوں کا جو بادشاہ پیدا ہوا ہے وہ کہاں ہے؟ ہم اس کا ستارہ دیکھ کر اسے سجدہ کرنے آئے ہیں۔

جب یہ مجوسی بیت اللحم سے روانہ ہوئے تو خدا کے فرشتے نے خواب میں یوسف سے کہا کہ اٹھ! بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر بھاگ جا اور جب تک میں نہ کہوں وہیں رہنا کیونکہ ہیرودیس اسے تلاش کر رہا ہے تاکہ اسے ہلاک کر دے۔

انجیل متی ہی میں ایک دوسرے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق لکھا ہے کہ ایک زمانے میں قیصر اگنس نامی بادشاہ نے یہ حکم جاری کیا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں، پس یوسف بھی گلیل کے شہر ناصره سے داؤد کے شہر بیت اللحم گیا جو کہ یہودیہ ہے تاکہ اپنی مگیتر مریم کے ساتھ جو کہ حاملہ ہیں، نام لکھوائے۔

جب وضع حمل کا وقت آیا تو اس کا پہلا بیٹا پیدا ہوا، جب آٹھ دن گزر گئے اور

نصتے کا وقت آیا تو اس کا نام ”یسوع“ رکھا گیا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق ان کے پاک ہونے کے چالیس دن پورے ہو گئے تو وہ اسے یروشلیم لے آئے تا کہ اسے خداوند کے آگے حاضر کریں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش قرآن کریم کی روشنی میں

انجیل کے بیانات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اب قرآن کریم کا طرز بیان بھی ملاحظہ فرمائیں اور اپنی عقل خدا داد سے خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ کس بیان میں کتنی جان ہے اور کون سا بیان حقیقت کے کتنا قریب ہے؟ چنانچہ قرآن کریم کہتا ہے۔

اے نبی ﷺ! اس کتاب حکیم میں ”مریم“ کا بھی ذکر کیجئے کہ جب وہ اپنے گھر والوں سے جدا ہو کر مشرق کی طرف چلی گئی اور لوگوں سے پردہ کر لیا تو ہم نے ان کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا جو ان کے سامنے آدمی کی صورت میں منتقل ہو کر آیا، اسے دیکھ کر مریم نے کہا کہ اگر تو متقی ہے تو میں تجھ سے اللہ کی پناہ میں آتی ہوں۔

فرشتہ بولا کہ میں تو آپ کے رب کا فرستادہ ہوں، تا کہ آپ کو ایک پاکیزہ فرزند عطا کروں، مریم نے کہا کہ مجھے تو کسی بندہ بشر نے آج تک نہیں چھوا، میرے یہاں کیسے لڑکا پیدا ہوگا، اور نہ ہی میں بدکار ہوں، فرشتے نے جواب دیا کہ آپ کے رب نے یہی فرمایا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے، (اس لئے وہ اسی طریقے سے اسے پیدا کریگا) اور ہم اسے لوگوں کیلئے اپنی قدرت کی ایک نشانی اور رحمت کا ذریعہ بنائیں گے اور یہ کام ہو کر رہے گا۔

پھر مریم اس بچے سے حاملہ ہو گئیں اور اسے لیکر دور چلی گئیں، پھر درودہ انہیں کجور کے تنے کی طرف لے آیا اور وہ کہنے لگیں اے کاش! میں اس واقعے سے بہت پہلے مر چکی ہوتی اور ایک بھولی بھری داستان بن چکی ہوتی، اسی وقت بچے سے فرشتے

کی آواز آئی کہ اے مریم! غمگین نہ ہو، اللہ نے تیرے لئے پانی کا ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور کھجور کے اس تنے کو پکڑ کر ہلاؤ، اس سے تم پر تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی، انہیں خوب کھاؤ اور پیو، اور اپنی آنکھیں اس نورِ نضر سے ٹھنڈی رکھو اور اگر کوئی آدمی دکھائی دے تو اس سے صرف اتنا ہی کہنا کہ میں نے آج کے دن اللہ کیلئے نہ بونے کی منت ماننی ہوئی ہے اس لئے آج میں کسی انسان سے بات نہیں کر سکتی۔

اس کے بعد جب حضرت مریم اس بچے کو اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئیں تو قوم کہنے لگی کہ اے مریم! یہ تو نے کیا کیا؟ اے ہارون کی بہن! تیرا باپ بدکار تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکارہ تھی (تو نے یہ کیا حرکت کی؟) یہ سن کر حضرت مریم نے اپنی گود میں موجود بچے کی طرف اشارہ کیا (کہ اس سے ہی پوچھ لو) وہ کہنے لگے کہ گھوارے میں پڑے ہوئے اس بچے سے ہم کیا پوچھیں؟ اتنے میں وہ بچہ خود ہی بولی پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب بھی دی ہے، اور مجھے نبوت سے بھی سرفراز فرمایا ہے اور میں جہاں بھی ہوں، مجھے بابرکت بنایا ہے اور تازہ زندگی مجھے نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اور مجھے اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا بنایا ہے، ظالم اور بد بخت نہیں بنایا۔“ (سورہ مریم: آیت نمبر ۱۵ تا ۳۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مختصر حالات

روایات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی پر کوئی خاطر خواہ اور تفصیلی روشنی نہیں ڈالی جاسکتی البتہ اسرائیلی روایات میں اس سے متعلق مفصل مواد موجود ہے لیکن اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرنا کسی صورت صحیح نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ اسرائیلیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابتدائی طور پر تعلیم گھر ہی میں حاصل کی، یوسف (حضرت مریم کے مکیتر) نے انہیں متبرک اصول

کھائے۔ اس کے علاوہ صبح و شام کی عبادت کے متبرک طریقے انہوں نے اپنی والدہ سے سیکھے، اسی طرح وہ یہودیوں کی ”محالِس سبت“ (ہفتہ وار مجلس) میں اپنی والدہ کے ساتھ بڑی پابندی سے شرکت کرتے تھے۔

مختلف انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے واقعات کو بطور معجزہ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اسرائیلی روایات کے مطابق جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو وہ حضرت مریم اور یوسف کے ساتھ یروشلیم چلے گئے، وہاں سے واپسی پر اتفاقاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے گھڑ گئے، حضرت مریم اور ان کا منگیترا نہیں تلاش کرتے ہوئے دوبارہ یروشلیم واپس آئے تو انہیں استادوں کے درمیان بیٹھا باتیں سنتا ہوا پایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جوانی کے حالات اسرائیلی روایات بھی مفصل طور پر بیان نہیں کر سکیں۔ البتہ اتنی بات ضرور موجود ہے کہ یوسف کے انتقال کے بعد حضرت مریم کنعان چلی گئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معاشی ضروریات کی تکمیل کیلئے ”برصغریٰ“ کا پیشا اختیار کر لیا، پھر تیس سال کی عمر میں ”یوحنا“ سے آپ کا ”بپتسمہ“ کروایا گیا اور یہی وہ زمانہ تھا جب آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔

اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک ”یہودیہ“ کے ریگستانی علاقوں میں غور و فکر کرتے رہے، ایک مرتبہ جب وہ یہودیوں کی عید فصیح کے موقع پر یروشلیم گئے تو بیت المقدس میں یہودیوں کے اعمال اور ان کی حرکتیں دیکھ کر بہت پریشان ہوئے کیونکہ یہودیوں نے بیت المقدس کا صحن مویثیوں سے بھر رکھا تھا جس کی وجہ سے وہاں شور و غوغا ہوتا تھا اور باقاعدہ خرید و فروخت کی جاتی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس بات کی کوشش کی کہ کسی طرح کاروباری معاملات بیت المقدس میں طے پانا بند ہو جائیں چنانچہ انہوں نے یہودیوں سے کہا کہ خدا کے گھر کو بازار مت بناؤ، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جرات سے بھرپور اس پیغام پر یہودی کا جنوں کو غصہ آگیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت شروع کر دی۔

اس موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی اور یروشلیم سے واپس ہو کر گلیلی جھیل کے کنارے ایک گاؤں میں چلے گئے اور وہاں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا، ان لوگوں کو جب آپ کے پیغمبر ہونے کا یقین ہو گیا تو انہوں نے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغامِ حق کو قبول کر لیا۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیروکاروں میں سے بارہ افراد کو منتخب کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ آپ کی دعوت کو عام کریں لیکن یہودیوں کو یہ چیزیں ایک آنکھ نہ بھائیں اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دشمنی پر کمر باندھ لی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بغاوت اور کفر کا بھی الزام لگایا گیا تا آنکہ ایک رومی گورنر ”پنتفس“ نے انہیں پھانسی دیئے جانے کا حکم صادر کر دیا۔

ان واقعات کی تصدیق یا تکذیب سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ بات ہمیشہ ملحوظ خاطر رہے کہ یہ اسرائیلی روایات ہیں، احادیث صحیحہ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا تاہم اتنی بات یقینی ہے کہ رومی بادشاہ کے حکم کے مطابق جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں تو انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا تھا اور وہ اب تک آسمانوں پر زندہ اور موجود ہیں، قرب قیامت میں ان کا دوبارہ زمین پر نزول ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ نزول کے بعد دجال کو قتل فرمائیں گے، عدل و انصاف سے بھرپور حکومت قائم کریں گے سلسلہ از دواج سے منسلک ہوں گے اور پھر آخر میں طبعی طور پر انتقال فرما کر مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کے حجرہ مبارکہ اور روضہ طیبہ میں مدفون ہوں گے۔

﴿مخالفت یہود کے اسباب و وجوہات﴾

سفرِ بالا کے مطالعہ سے اتنی بات تو واضح ہو گئی کہ جو یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل ایک نجات دہندہ کے منتظر تھے وہی ان کی آمد پر ان کے جانی دشمن کی صورت میں سامنے آئے اور جتنی تکالیف پہنچا سکتے تھے اس میں انہوں نے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں رکھا، تاہم یہاں ایک عام قاری کے ذہن میں پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب دینا ضروری ہے کہ آخر یہودیوں کی اس مخالفت کے اسباب و وجوہات کیا تھے؟ ذیل میں اسی سوال کا جواب دیا جا رہا ہے۔

(۱) تشدد کا الزام

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کی غلط کاریوں کی وجہ سے ان کی پکڑ

دھڑکی اور اعمال سید اور بدعات پر کبیر شروع کی تو یہودی ناراض ہو گئے اور انہیں 'تشرک' کا مرتکب "ٹھہرا کر ان کی تعلیمات کو سختی پر محمول کرنے لگے۔

(۲) سبت کی بے حرمتی کا الزام

یہودیوں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام "سبت" کی بے حرمتی کے مرتکب ہو رہے ہیں اس لئے ان کی مخالفت کرنا ہمارے لئے ضروری ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا تھا "کہ سبت ابن آدم کیلئے ہے نہ کہ ابن آدم سبت کیلئے" اس بات پر یہودی ان کے مخالف ہو گئے۔

(۳) یروشلم کی تباہی کا متنبی

یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ بھی الزام تھا کہ وہ ہمارے مقدس شہر یروشلم کی تباہی کیلئے بددعا نہیں کرتے ہیں اس لئے یہ ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔

(۴) ابن اللہ کہلوانے کا الزام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی پر یہ بہتان بھی باندھا گیا کہ "یسوع" اپنے تئیں خدا کا بیٹا کہلاتا ہے جس کا غلط ہونا ہمارے نزدیک یقینی بات ہے اس لئے ان کی پیغمبری کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

(۵) مساوات کا اعتراض

یہودی اپنی افتاد طبع سے مجبور ہو کر غیر یہودی یا نچلے طبقے سے وابستہ کسی بھی فرد سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے اور اس میں اپنی کسر شان سمجھتے تھے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اخوت اور مساوات کے علم بردار تھے جو یہودیوں کو پسند نہیں تھا اس لئے وہ ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔

(۶) بغاوت کا الزام

یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ اعتراض بھی اٹھایا کہ وہ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے تخت کا وارث ہونے کے مدعی ہیں جو در پردہ حکومت کے خلاف

بغاوت اور اس کی سازشیں ہیں۔

یہ اور اس قسم کے دیگر اثرات و بہتانات جن کی حقیقت کمزری کے جانے سے بھی زیادہ بودی اور کزودتھی، یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات والا صفات پر دھرتا شروع کر دیے، عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے یہ الزام کافی سے زیادہ تھے، خاص طور پر ان میں سے آخر ہلڈ کر حکومت وقت کیلئے بھی بہت اہمیت کا حامل تھا۔

جب حکومت کو اپنا سنگھاس ڈون ہوا دکھائی دیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملزم کے طور پر پکھری میں طلب کیا گیا جہاں انہیں سزائے موت یعنی پھانسی کا حکم سنایا گیا۔ اسرائیلیات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کیلئے ایک سازش تیار کی گئی، انہیں مجرم قرار دیکر گرفتار کرنے کے بعد یہودی اپنے سردار کاہن کے پاس لے گئے اور ان کے خلاف گواہیاں پیش کیں تاکہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کرنے کا حکم صادر کر دیا اور ایک وقت مقررہ پر انہیں سولی دیدی گئی۔

اسلامی تعلیمات کا ایک مختصر سا خاکہ اس سلسلے میں پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قدرت خداوندی کے تحت دوسرے آسمان پر زندہ اٹھائے گئے، قرب قیامت میں ان کا نزول ہوگا وغیرہ، مزید تفصیلات کیلئے مطلوبات ملاحظہ فرمائیں۔

﴿حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات﴾

توحید

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں شرک کا کہیں شائبہ بھی نہیں پایا جاتا بلکہ انہوں نے اپنی پیدائش کے فوراً بعد شرک اور کفر کی چیزیں کاٹنا شروع کر دیں اور ہمیشہ شرک سے روکتے رہے، ایک خدا کو سجدہ کرنے اور اسی ایک خدا کی عبادت کرنے کا حکم دنیا کے سامنے پیش فرماتے رہے۔

صفات باری تعالیٰ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں صفات باری تعالیٰ پر ایک قابلِ قدر مواد موجود ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں ”وہ قادر مطلق ہے، وہی عزت کے لائق ہے، اس

کے علاوہ کوئی مجبور نہیں اور وہی انسانوں سے قیامت کے دن حساب لے گا۔“
 اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توبہ و استغفار کی تلقین کرتے ہوئے یہ
 تعلیم بھی دی کہ نجات کا دار و مدار اعمال پر ہے (انساب پر نہیں) اور یہ گناہ ہی ہیں جو
 انسان کو جہنم میں لے جانے کا سبب بنتے ہیں، نیز اخلاقی، معاشرتی، غیر محرم عورتوں،
 والدین، صدقہ خیرات، تصدیق تورات اور اپنی رسالت وغیرہ امور کی تعلیم بھی حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام سے ثابت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چشمن گوئیوں میں ایک چشمن گوئی نہایت اہم اور
 قابل توجہ ہے خاص طور پر عیسائیوں کیلئے وہ بہت توجہ طلب ہے اور وہ وہ ہے کہ جس میں
 ”فار قادی“ کا نام لیکر حضور ﷺ کی آمد کی خوشخبری سنائی گئی ہے اور ان پر ایمان لانے کی
 دعوت دی گئی ہے اور تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ”فار قادی“ کا مصداق
 حضور ﷺ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

یاد رہے کہ ”فار قادی“ کا عربی میں متبادل لفظ ”احمد“ ہے یعنی تعریف کرنے والا
 یا تعریف کیا ہوا، اور تاریخ گواہ ہے کہ رفع عیسیٰ سے لیکر حضور ﷺ کی یوم پیدائش تک
 کسی بچے کا نام ”احمد“ رکھا جانا ثابت نہیں لیکن عیسائیت کے نزدیک یہ بات ناقابل فہم و
 ناقابل تسلیم ہے۔

﴿عیسائیوں کی مقدس کتابیں﴾

عیسائیوں کی مقدس کتابیں جو الہامی خیال کی جاتی ہیں آج کل انہیں ”عہد نامہ
 جدید“ کہا جاتا ہے جو کہ درحقیقت بائبل کا دوسرا حصہ ہے اور اس میں سترائیس کتابیں شامل
 ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

- | | |
|-----------------------|---------------------|
| ۱۔ انجیل متی | ۲۔ انجیل مرقس |
| ۳۔ انجیل لوقا | ۴۔ انجیل یوحنا |
| ۵۔ رسولوں کے اعمال | ۶۔ رومیوں کے نام خط |
| ۷۔ کرنتھیوں کے نام خط | ۹۔ گیلیوں کے نام خط |

۱۰۔ انیسویں کے نام خط	۱۱۔ قلمبازوں کے نام خط
۱۲۔ کلوسیوں کے نام خط	۱۳۔ ۱۴۔ تھلسونیکوں کے نام دو خط
۱۵۔ ۱۶۔ تیتھس کے نام دو خط	۱۷۔ ططس کے نام خط
۱۸۔ فلیمون کے نام خط	۱۹۔ عبرانیوں کے نام خط
۲۰۔ یعقوب کے نام خط	۲۱۔ ۲۲۔ پطرس کے دو خط
۲۳۔ ۲۴۔ یوحنا کے تین خط	۲۵۔ ۲۶۔ یسوداہ کا خط
۲۷۔ یوحنا کا مکاشفہ	

آسانی کی خاطر پہلی چار کتابوں کو ”انا جیل اربو“ کہا جاتا ہے اور آخری کتابوں کو ”کتاب اعمال“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کا مصنف پولس کا شاگرد لوقا ہے اسی لئے اس میں حواریین اور پولس کے کارنامے بھی درج ہیں۔ اس مجموعے کو پانچویں صدی عیسوی کے بالکل آخر میں اس وقت کے پوپ نے مستند قرار دیا تھا ورنہ قبل ازیں اس کی استنادی حیثیت کچھ بھی نہ تھی، اس کے علاوہ عیسائیوں کی چھوٹی بڑی مقدس کتابیں تقریباً ڈیڑھ ہزار ہیں جنہیں مذہبی تقدس حاصل ہے۔

انا جیل اربو اور انجیل برناباس

عیسائی مذہب میں مذکورہ چاروں انا جیل انتہائی اہمیت کی حامل ہیں اور انہی پر عیسائی مذہب میں تقدس کی چادر پڑی ہوئی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی وہ مقدس آسمانی کتاب جسے ”انجیل“ کہا جاتا ہے ان میں سے کوئی بھی نہیں اور خود عیسائی مصنفین کو اس بات کا اعتراف ہے کہ ان انا جیل کی حیثیت صرف اور صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری ہونے کی ہے، یہ خدا کی نازل کردہ ہرگز نہیں ہیں۔

مذکورہ انا جیل اربو کے علاوہ ایک ”انجیل“ اور بھی ہے جو آج سے صرف ۲½ سو سال پہلے دریافت ہوئی ہے اور اس کی نسبت برناباس نامی حواری کی طرف کر کے اسے انجیل برناباس کہا جاتا ہے۔

اس کی دریافت کا مکمل تاریخی پس منظر معلوم کرنے کیلئے پروفیسر لیاقت علی عظیم کی کتاب ”مذہب کا تقابلی مطالعہ“ ص ۴۲۳ ملاحظہ فرمائیں۔ گو کہ اس انجیل کی دریافت

سے عیسائیت میں تہلکہ مچ گیا اور مسلمانوں پر الزام لگایا گیا کہ ان کے کسی عالم نے یہ کتاب لکھ کر برناباس حواری کی طرف منسوب کر دی ہے، ورنہ اس نام کی کوئی انجیل نہیں ہے تاہم اتنی بات ضرور قابل غور ہے کہ آخر اس انجیل میں ایسی کون سی خاص بات ہے جس نے عیسائیوں کو اس الزام تراشی پر مجبور کیا؟

سویہ بات تو واضح ہے کہ تاریخی حقائق پر لاکھ کوشش کے باوجود بھی پر وہ نہیں ڈالا جاسکتا اور نہ ہی ان کی تکذیب کی جاسکتی ہے چنانچہ انجیل برناباس میں حضور ﷺ کی آمد کی خوشخبری، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے الوہیت کی نفی، انہیں سولی دیئے جانے کی تردید اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح اللہ ہونے کا تصریح وہ امور ہیں جنہوں نے عیسائیوں کو اس اقدام پر مجبور کیا، اگرچہ ہم بھی اس انجیل کو ”آسمانی انجیل“ نہیں قرار دیتے لیکن اس کی یہ تصریحات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات صادقہ کا ایک نمونہ ہیں۔

تحریف انجیل کے اسباب

اناجیل سے متعلق اس مختصری بحث کو اس عنوان پر ختم کیا جاتا ہے کہ علماء کرام کے ”انجیل“ کو محرف قرار دینے کے اسباب و وجوہات کیا ہیں؟ اور کیا وہ اسباب واقعہ کسی کتاب کو محرف سمجھنے اور قرار دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں؟

اس سلسلے میں سب سے زیادہ مضبوط اور قابل اعتبار وجہ ان عیسائی مصنفین کا ہے ساختہ اعتراف ہے جو عیسائی مذہب سے مخلصانہ طور پر وابستہ ہیں کہ اناجیل اربعہ کو وحی الہی سمجھنا غلط ہے، یہ تو صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری سے بحث کرتی ہیں اور بس۔ دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنف ایسے افراد ہیں جن کا تاحال کوئی ضابطہ حیات سامنے نہیں آسکا، مفسر، لوقا، متی اور یوحنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری نہیں اور ان کی شخصیت کبھی ایسی پرکشش نہیں رہ سکی جس نے ان کے مستند حالات تاریخ کے ذریعے ہم تک پہنچائے ہوں، اسی طرح ان کتابوں کا کوئی یقینی زمانہ تصنیف بھی معلوم نہیں۔

جب کتابوں کا مصنف مجہول افراد کو ٹھہرایا جا رہا ہے اور اس کی کوئی تردید بھی نہیں تو پھر اس بات پر یقین کئے بغیر بھی چارہ کار نہیں رہتا کہ ان مصنفین نے اپنی طرف سے کمی بیشی کا ارتکاب کیا ہے اور یہی تحریف ہے۔

تیسری اہم وجہ یہ ہے کہ اگر موجودہ انجیل اصلی ہوتی تو پھر اس میں اختلاف بیانی اور متضاد باتوں کا ایک طویل سلسلہ ہرگز نہ ہوتا، یہی نہیں بلکہ یہ چاروں انجیلیں بہت ساری باتوں میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتی ہیں اور اختلاف بھی وہ جو غیر معمولی ہے، یہ بھی انجیل کے محرف ہونے کی دلیل ہے۔

چوتھی اہم وجہ یہ ہے کہ وحی الہی پر مشتمل انجیل صرف ایک تھی اور یہ تو چار ہیں، یقیناً ان میں سے تین وحی الہی پر مشتمل نہیں اور یہ احتمال ہر ایک میں پایا جاتا ہے اس لئے ہم کسی انجیل کو بھی اصلی قرار دینے میں معذور ہیں۔

✽ عیسائی مذہب کی اہم رسومات ✽

عیسائی مذہب کی رسومات میں دوسروں کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے لیکن ان دونوں کا تعلق اس شخص کے ساتھ ہوتا ہے جو اپنے مذہب کو ترک کر کے ”عیسائیت“ کا جواب دینے لگے اور اپنے آپ کو ”عیسائی“ قرار دے۔

پہلے

عیسائیت میں داخل ہونے والے ہر شخص کیلئے اس رسم کا ادا کیا جانا ضروری ہے گویا یہ ایک ”ابتدائی رسم“ ہے جس کے بغیر کوئی شخص دائرہ عیسائیت میں داخل نہیں ہو سکتا، یہ درحقیقت غسل کا ایک مخصوص طریقہ ہے جس کے پس پردہ کفارہ کا عقیدہ کارفرما ہے۔

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ہر شخص لینے سے انسان ”یسوع“ کے واسطے ایک بار مر کہ دوبارہ زندگی پاتا ہے اور یہ موت درحقیقت اس کے گناہوں کی سزا ہوتی ہے اس کے بعد انسان گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔

پہلے کا مخصوص طریقہ یہ ہے کہ عیسائیت میں داخل ہونے والے شخص کو ایک کمرے میں بیجا کر اس طرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کا منہ مغرب کی طرف ہو، اس کے بعد وہ اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے اے شیطان! میں تجھ سے اور تیرے عمل سے دستبردار ہوتا ہوں، پھر وہ مشرق کی طرف منہ کر کے عیسائی عقائد کا اپنی زبان سے اقرار و اعتراف کرتا ہے۔

اس کے بعد اسے ایک اور بند کمرے میں لے جایا جاتا ہے اور اس کے تہہ کپڑے اتار کر اسے مکمل برہنہ کر دیا جاتا ہے اور سر سے لنگر پاؤں تک دم کیا ہوا تھل اس کے جسم پر ملا جاتا ہے پھر اسے ایک حوض میں ڈالا جاتا ہے اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا وہ باپ، بیٹے اور روح القدس پر عیسائی تفصیلات کے مطابق ایمان رکھتا ہے یا نہیں؟ جواب اثبات میں پا کر اسے حوض سے نکال کر سفید کپڑے پہنائے جاتے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ شخص اب گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو گیا ہے جیسے یہ سفید کپڑا، اس کے بعد اس شخص کو جلوس کی مسورت میں یکساں پہنایا جاتا ہے۔

عشائے ربانی

دارۂ عیسائیت میں داخل ہونے کے بعد ہوا کی جانیوالی رسوم میں یہ بھی انتہائی اہم رسم ہے جس کی تاریخ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی گرفتاری سے قبل اپنے حواریوں کو رات کا کھانا کھلایا تھا، اس کی یاد میں یہ رسم منائی جاتی ہے اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اتوار کے دن سب لوگ کھینڈوں میں صوفی دیتے ہیں اور ایک دوسرے کا بوسہ لیکر مبارک باد دیتے ہیں، اس کے بعد روٹی اور شراب لائی جاتی ہے پھر پاروی دعا کرتا ہے اور حاضرین آمین کہتے رہتے ہیں، اس روٹی اور شراب کو اپنے جسم کا حصہ بناتے ہوئے عیسائیوں کے ذہنوں میں یہ عقیدہ تازہ ہوتا ہے کہ یہ روٹی مسیح کے بدن میں تبدیل ہو جاتی ہے اور شراب ان کے خون میں بدل جاتی ہے۔

رہبانیت

اسے عیسائیت کی رسومات میں تو شہر کرنا شاید صحیح نہ ہو لیکن انکی تعلیمات کا حصہ اور زندگی گزارنے کی ایک تکلیف دہ صورت ضرور قرار دیا جاسکتا ہے کہ انسان اپنے تمام تر تعلقات کو پس پشت ڈال کر گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لے، معاشرتی اور معاشی زندگی سے کٹ کر ایک طرف کو ہو کر بیٹھ جائے، شادی بیاہ کی ذمہ داریوں سے اپنی بن بچہ بچہ پھرے اور حقیقت یہ ہے کہ ترک دنیا کا یہ عنصر عیسائیت نے یہودیت سے مستعار لیا ہے اور اسے اپنے عقائد کا حصہ بنا لیا ہے، تعلیمات وحی کی اس سے کوئی مطابقت نہیں۔

✽ عیسائیوں کے تہوار ✽

عیسائیوں کے مختلف تہواروں میں تین مواقع انتہائی اہمیت کے حامل ہیں جن کی مختصر وضاحت حسب ذیل ہے۔

اتوار کا دن

انگریزی میں اتوار کو ”سن ڈے“ کہتے ہیں اور ”سن“ کا مطلب ”سورج“ ہے تو ”سنڈے“ کا معنی ہوا ”سورج کا دن“ اصل میں یونانی مشرکوں کے یہاں یہ دن سورج کی پوجا کیلئے مقرر تھا اسی طرح ہندو بھی ”اتوار“ کو سورج کی پوجا کیلئے مخصوص رکھتے تھے، ان کی دیکھا دیکھی عیسائیوں نے بھی اسے مقدس سمجھنا شروع کر دیا اور اب یہ ان کے یہاں ایک مقدس دن اور تہوار کا موقع ہوتا ہے۔

کرسمس

عیسائی تہواروں میں یہ دن ایسا ہی سمجھا جاتا ہے جیسے مسلمانوں میں عید کا دن، کیونکہ یہ عیسائیوں کا سالانہ تہوار ہے جو بچپن میں نبی علیہ السلام کی سالگرہ کے طور پر منایا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس تاریخ کو حضرت مسیحی علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی، اسی خوشی میں کیک کاٹنے جاتے ہیں اور مختلف قسم کے طریقوں سے خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

ایسٹر

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیحی علیہ السلام کو جب سولی پر چڑھا دیا گیا تو وہ تین دن بعد دوبارہ زندہ ہو گئے تھے اور چونکہ یہ ۲۱ مارچ کی تاریخ تھی اس لئے اس خوشی میں عیسائی ۲۱ مارچ کو یا اس کے فوراً بعد آنے والی اتوار کو یہ تہوار مناتے ہیں۔

یاد رہے کہ یہ وہی دن ہے جسے ایرانی ”نوروز“ کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ہندو اسے ”ہنسٹ“ کا موقع قرار دیتے ہیں۔ مصر اور آئرلینڈ کے لوگ ایسٹر کو ”آسٹر“ کہتے ہیں جس کا مطلب ”بہار کی دیوی“ ہے۔ اس اعتبار سے ان کے یہاں یہ ”بہار کی دیوی“

کی تقریب ہوتی ہے۔

﴿عیسائیوں کے مختلف فرقے﴾

آسمانی مذاہب میں عیسائیت کو جو اہمیت حاصل ہے اس میں کسی کو کلام نہیں، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل تسلیم ہے کہ فرقوں کی جتنی کثرت کا حامل یہ مذہب ہے کوئی اور نہیں مثلاً مسطور یہ، یعقوبیہ اور ملکانیہ وغیرہ، جس کی سب سے اہم وجہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت کے بارے اختلاف ہے۔

چنانچہ کوئی انہیں ”خدا“ کہتا ہے تو کوئی ”خدا کا بیٹا“ قرار دیتے پر مصر نظر آتا ہے کسی کی تانِ ریان آ کر ٹوٹتی ہے کہ خدا کی روح ان میں حلول کر گئی تھی اور کسی نے عقیدہ مصلوبیت کو اپنے ایمان کا جزو بنایا تاہم ان میں دو فرقوں کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی اور عیسائیوں کی اکثریت انہی کے ساتھ وابستہ ہے۔

(۱) پروٹسٹنٹ فرقہ (۲) کیتھولک فرقہ

﴿موجودہ عیسائیت اور اسلام کا تقابلی جائزہ﴾

عنوان میں ”موجودہ عیسائیت“ کی قید لگانے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت عیسائیت کا صحیح تصور اور اس کی صحیح تعلیمات اور مذہبی کتب میں ہمارے سامنے موجود نہیں جن میں ”وحی الہی“ کی روشنی بھی شامل ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح حیات کے ضمن میں ان کی عملی تشریح کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہو اس لئے یہاں موجودہ عیسائیت اور اسلام کا تقابل پیش کیا جا رہا ہے۔

تشلیٹ

عیسائیوں کا مشہور فلسفہ ہے ”تین ایک میں، ایک تین میں“ جسے وہ خود بھی آج تک حل نہیں کر سکے تاہم یہ ان کے عقائد کا آئینہ دار ہے کہ وہ خدا کو تین اقاہم سے مرکب قرار دیتے ہیں، باپ، بیٹا اور روح القدس، جبکہ اسلام تو حید خالص کا علم بردار اور داعی ہے اور کفر و شرک اور تشلیٹ کا ماحی ہے۔

شریعت

عیسائیت نے شریعت کو ایک لعنت قرار دیا ہے ورنہ ہمیشہ اور ہر نبی کی شریعت یکساں ہوتی اور تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان شریعت پر عمل نہیں کر سکتا جبکہ اسلام شریعت کو لعنت قرار دینے کی بجائے ”ذریعہ ہدایت“ قرار دیتا ہے اور اپنے پیروکاروں کو یہ باور کراتا ہے کہ اس کا کوئی حکم بھی حکمت سے خالی یا انسانی طاقت سے باہر نہیں۔

قومی پیغام

عیسائیوں کی مذہبی کتابیں اور اناجیل اس بات کو تسلیم کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام محدود اور قومی سطح پر تھا، اسے عالمگیریت ہرگز حاصل نہ تھی اسی لئے اس کا چیلنج بھی ساری دنیا کیلئے نہ تھا جبکہ اسلام نے نہ صرف یہ کہ عالمگیریت کا دعویٰ کیا بلکہ اسے ثابت بھی کر کے دکھایا اور وہ اپنے اس دعویٰ میں حق بجانب ثابت ہوا۔

ابنیت

نیسائی عقائد کی گونا گوں صفات میں سے ایک عفت یہ بھی ہے کہ وہ متعزذ باتوں کا بیک وقت قائل ہو جاتا ہے چنانچہ الوہیت مسیح کیساتھ ساتھ وہ ”ابنیت مسیح“ کا عقیدہ بھی رکھتا ہے جبکہ اسلام خدا کو ”ابنیت“ یا تسلیت سے مکمل طور پر منزہ و مبرا قرار دیتا ہے اور تو حید خداوندی میں کسی قسم کی تشکیک کو بالکل برداشت نہیں کرتا۔

ذریعہ نجات

عیسائیت میں عقیدہ کفارہ پر ایمان لائے بغیر نجات ممکن نہیں کیونکہ انسان پیدائشی اور فطری طور پر گنہ گار واقع ہوا ہے اور اس کے والدین آدم و حوا نے جو شرعہ ممنوعہ کا پھل کھانے کا گناہ کیا تھا اس نے پوری انسانیت کو گناہگار کر دیا، اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے انسان یا تو جرمانہ ادا کرے یا پھر ان کی سزا بھگتے۔ خدا بھلا کرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جنہوں نے اپنے آپ کو سولی پر چڑھا کر اس کے پیدائشی وغیرہ پیدائشی تمام گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا اس لئے اس عقیدے پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جبکہ اسلام اللہ

تعالیٰ کے فضل و کرم کے بعد انسان کے اعمال صالحہ کو ذریعہ نجات قرار دیتا ہے اور اس خیال کی کھلم کھلا تردید کرتا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا کفارہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے ادا کر دے۔

صلب عیسیٰ علیہ السلام

عیسائیت اب تک ”صلب عیسیٰ“ کے جال میں جکڑی ہوئی ہے اور انہیں سولی دیئے جانے پر مصر ہے جبکہ اسلام بھاگ دس یہ اعلان کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا گیا اور نہ ہی انہیں سولی پر چڑھایا جاسکا بلکہ انہیں اشتباہ ہو گیا اور یہ سچی بات ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے میں اپنے مڑعوہ مقاصد کے تحت کامیابی حاصل نہیں کی۔

عقیدہ حلول

اس سے مراد یہ ہے کہ خدائی صفات کی حامل ذات ایک وقت مقررہ کیلئے خدائی صفات کو چھوڑ کر انسانیت کے روپ میں زمین پر آئی، خدائی حیثیت سے وہ ذات ”خالق“ تھی اور انسانی حیثیت سے ”مخلوق“ یہ عقیدہ اسلام کی نگاہ فطرت میں تو کہاں اپنا مقام بناتا؟ عقل سلیم بھی اسے صحیح تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں لیکن عیسائیت اس پر دل و جان سے فریفتہ ہے۔

حیات ثانیہ

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی دیئے جانے کے تیسرے ہی دن دوبارہ زندہ ہو گئے تھے جبکہ اسلام نے ان کے انتقال ہی کو تسلیم نہیں کیا، حیات ثانیہ چہ معنی دارد؟

یہ اور اس قسم کی بہت سی چیزیں عیسائیت اور اسلام میں حد فاصل کا کام دیتی ہیں، اسلام کو تنقید اور عیسائیت کو تردد و نزول سے دوچار کرتی ہیں، مجھے اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ اسلام ایک دین فطرت اور ترجمان جبلت ہے، اس سے زیادہ انسانی نفسیات کو سمجھنے کا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو زرب دیتا ہے۔

باب و اہم

﴿اسلام﴾

شرع اسلام ﷺ، ارکان اسلام، تعلیمات اسلام،
عقائد اسلام، کتب مقدسہ اور اسلام کی تائید و تحریک

باب دہم

﴿اسلام﴾

گذشتہ صفحات میں مختلف مذاہب کی تعلیمات و افکار کا مختصر و تذکرہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اور اسلام کے ساتھ ان کا تقابلی مطالعہ بھی آپ کی نظروں سے گزرا، پھر ہمیں یہ بھی امید ہے کہ ہمارا مخاطب اور قاری دین اسلام کے ساتھ اپنی قلبی اور قالبی عقیدت و وابستہ رکھتا ہے اس لئے دین اسلام سے متعلق کچھ لکھنا سورتج کو چراغ دکھانے کے مترادف محسوس ہوتا ہے اور یہ احساس بھی اس پر مزید ہے کہ دین اسلام اور اس کی تعلیمات پر روشنی ڈالنے کے لئے یہ مختصر سا مجموعہ ہرگز کافی نہیں ہو سکتا۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ مذاہب کے اس تسلسل میں چونکہ سب سے پہلا نام عام طور پر ”اسلام“ ہی سامنے آتا ہے اس لئے اختصار کے ساتھ اس پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی جاتی ہے، نیز دیگر مصنفین نے بھی تقابلی ادیان پر کام کرتے ہوئے چونکہ ”اسلام“ کا ذکر کیا ہے اس لئے بھی ہمارے ارادے کو تقویت ملتی ہے۔

شمارع اسلام (ﷺ)

مکہ مکرمہ کی بے آب و گیاہ سرزمین میں ”خانوادہ اسماعیل“ اپنی ذاتی وجاہت اور شخصی وقار میں اپنی نظیر آپ تھا، خواجہ عبدالمطلب بھی اسی خانوادے کے چشم و چراغ تھے جنہیں اپنی تمام اولاد میں ”خواجہ عبد اللہ“ سے انتہائی قلبی محبت تھی اور کیوں نہ ہوتی؟ ان کی معصوم اور بھولی بھالی شخصیت اپنے ہر ناظر کو متاثر کرنے کے لئے بڑی مسکون کن ثابت ہوئی تھی، ان کی پیشانی نور نبوت سے چمکتی تھی جس کا اس مادی اور حسی دنیا میں ڈلارے عمر (ﷺ) کی صورت میں ظہور پذیر ہونا مقدر تھا۔

۵۷۰ء کا سال عیسوی اور شمسی کیلنڈر میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسی سال راہمنائے عالم خواجہ عبد اللہ کے فرزند، بی بی آمنہ کے نور نظر اور محبوب رب اعلیٰ نے

خدا ارشٰی پروردگار یہ تھا۔ بچپن میں یہ پندہ مریچوں سے مختلف تھا۔ جوانی میں عام جوانوں سے اور تھابری بڑھاپے کی عمر میں مریچوں سے مختلف۔

کمریاں چڑانا عرب کا عام پیش تھا اور برہمن نے کمریاں چرائیں اس لئے بچپن میں آپ سٹیڈی نہ تھے کمریاں چراتے رہے۔ جوانی میں تجارت کی پہلی دلیہ پر قدم رکھا تو کامیابی نے آپ کے قدم چوڑے اور تجارت نے آپ کی سٹیڈی پن سے رہنمائی حاصل کی۔

چالیس سال کی عمر میں منصب نبوت سے سرفراز ہوئے اور پورے ۲۳ برس تک کامل تہذیبی و فطرت شناسی کے ساتھ اپنے فرائض سے عہدہ برتا ہوتے رہے، اس دوران آپ دو طرح طرح سے متاثر ہوئے، راہ حق سے قدم پھسلانے کی بھرپور اور مضبوط کوششیں ہوئیں، آپ کو اپنے منصب کی ادائیگی سے روکنے کے لئے طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں لیکن فضل خداوندی آپ کے شامل حال اور دستگیر تھا، پھر پائے ثابت میں نغرش کیونکر آسکتی تھی؟

آپ سٹیڈی پن سے راہ حق میں آنے والی ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور اپنے پروردگار سے کبھی شکوہ نہیں کیا، نتیجتاً آپ کو ”معراج ہسانی“ کا ایسا شرف عطا فرمایا گیا جو کائنات میں کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔ قرآن کریم جیسے لازوال لافانی اور لافانی شایکار مجرہ ملے ہوا جس کا تحقق صرف آپ کی حیات سے مخصوص نہ تھا بلکہ اسے رقی دنیا تک کے لئے راہنما اور ہادی بنانے کا فیصلہ نزل ہی میں ہو چکا تھا۔

آپ کی زندگی میں واقعہ طائف، واقعہ ہجرت، بدر و حنین کے غزوات، صلح حدیبیہ کا تناظر اور حجتہ الوداع کے خطبات ناقابل فراموش اہمیت کے حامل ہیں، اس کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھا جائے کہ آپ کی حیات مبارکہ میں کوئی لمحہ غیر اہم بھی ہے کیونکہ راقم اپنا یہ عقیدہ بزرگوں کے حوالے سے بالکل صحیح اور قابل اشداعت سمجھتا ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ کا ایک لمحہ بھی غیر اہم نہ تھا، یہ تو ہم ظاہریوں کے لئے ایک انتہائی مختصر فہرست ہے ورنہ صرف فہرست ہی کے لئے ایک ضخیم جلد درکار ہے۔

۲۳ برس کی عمر میں اپنے رب کی فرمائش پر اور محبوب سے ملاقات کے اشتیاق میں آپ سٹیڈی پن سے اس دار فانی سے رخصت سفر باندھا اور پروردگار عالم کے حضور سر بسجود

ہو گئے اور امت کو ”کتاب و سنت“ کا بہترین تحفہ اور دستور العمل عنایت فرما گئے۔

ارکان اسلام

شارع اسلام ﷺ کی سوانح حیات لکھنے کے لئے تو عمر نوج درکار ہے، یہ مختصر ساقعارف شاید تعارف کہلانے کا بھی مستحق نہ ہوتا ہم اختصار کے پیش نظر نہ چاہتے ہوئے بھی قلم یہیں روک کر ”ارکان اسلام“ پر ایک سرسری نظر ڈال رہا ہوں جنہیں آپ اسلام کی عمرت کے بنیادی اور اہم ستون قرار دے سکتے ہیں، ان کی تعداد پانچ ہے جو کہ حسب ذیل ہیں۔

- (۱) اقرار توحید و رسالت
- (۲) نماز
- (۳) زکوٰۃ
- (۴) روزہ
- (۵) حج

توحید و رسالت

اسلام اور دیگر مذاہب میں ”توحید و رسالت کا اقرار“ حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بغیر کوئی انسان دائرہ ایمان میں نہ داخل ہو سکتا ہے اور نہ رہ سکتا ہے اور اسلام میں ان دونوں لفظوں کا مفہوم اپنے اندر ایک مخصوص وسعت رکھتا ہے چنانچہ توحید صرف ”اللہ کو ایک ماننے“ کا نام نہیں بلکہ اللہ کو اس کی ذات، صفات، کمالات اور اختیارات ہر چیز میں یکمانتہ توحید کا صحیح مفہوم ہے۔

اسی طرح ”رسالت“ صرف حضور ﷺ کو رسول ماننے کا نام نہیں بلکہ آپ کی رسالت کے اقرار کے ساتھ ساتھ یہ اعتقاد بھی اس کا جزو ہے کہ آپ کے بعد اب کوئی شخص نبی بن کر نہیں آ سکتا اور آپ ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے ان پر ایمان لانا اور ان کا احترام کرنا ہمارے عقیدے کا حصہ ہے۔

نماز

عبادات میں اسے وہ اہمیت حاصل ہے جو جسم میں روح کو ہوتی ہے اور اس کے بغیر کسی بھی انسان کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا، اس کی ادائیگی کے اوقات سے لے کر اختتام تک ایک ایک چیز کے لئے قواعد و ضوابط مقرر ہیں کہ کھڑا کیسے ہونا ہے؟ جھکنا کیسے ہے؟ زمین پر سر رکھ کر اپنی عاجزی کا اقرار کس طرح کرنا ہے؟ اور ادب کے ساتھ بیٹھنے کا کیا طریقہ ہے؟ یہی وجہ ہے کہ بدنی عبادات میں نماز کو انتہائی جامع، مختصر اور مغز عبادت قرار دیا جاتا ہے۔

زکوٰۃ

اسلام نے دولت کو دولت مندوں ہی میں محصور رکھنے کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ ہمیشہ اس کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دلاتی ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ جس شخص کے مال کی ایک مخصوص مقدار پر جب پورا سال گزر جائے تو وہ اڑھائی فیصد کے حساب سے اپنے تمام مال کی زکوٰۃ ادا کرے تاکہ اس کے مال میں خیر و برکت بھی ہو اور وہ ضائع ہونے کے اندیشے سے بھی محفوظ ہو جائے۔

روزہ

ماہ رمضان میں طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک اپنی کسی قسم کی خواہش پر عمل کرنے سے رککنے کا نام "روزہ" ہے جو مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد اب اس حج پر پہنچا ہے جسے ہم مسلمانوں میں دیکھتے ہیں۔

حج

مکہ مکرمہ میں موجود بیت اللہ کا طواف، میدان عرفات میں وقوف اور منیٰ میں رمی جمار وغیرہ مخصوص طریقے سے مخصوص ایام و مہینوں میں سرانجام دینا "حج" کہلاتا ہے اور جس گھر کا طواف کیا جاتا ہے وہ مسلمانوں کا سب سے زیادہ اور انتہائی مقدس مقام ہے۔ اس کے بعد مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الوف سلام و تحیہ کا درجہ ہے چنانچہ حج کی نیت سے مکہ مکرمہ

جانے والے افراد مدینہ منورہ کی حاضری کو بھی اپنے لئے منیعت اور سعادت سمجھتے ہیں۔

جہاد

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو یہ تعلیم بھی دی ہے کہ انہیں اسلام کی صورت میں جو ”نعت“ ملی ہے اسے عام کریں اور غیر مسلموں کو بھی اس میں شامل کریں۔ اس کے لئے انہیں دور دراز ممالک کا سفر کر کے غیر مسلموں کو دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینا ہوتا ہے لیکن اگر غیر مسلم اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیں تو انہیں اسلامی حکومت کے تحت رہ کر قہراً ادا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، بصورت دیگر کمواران کے لئے ثالث ہوتی ہے اسی کو ”جہاد“ سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کہ انتہائی اہم عبادت اور قافلی اجر و ثواب عمل ہے۔ اس دوران فوت ہو جانے والے افراد ”شہید“ کہلاتے ہیں، زندہ بچ رہنے والے موت کی تمنا میں رہتے ہوئے ”غازی“ کہلاتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات

اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس لئے وہ اپنے پیروکاروں کو ایک مکمل دستور عطا کرتا ہے جو زندگی کے ہر موز پر اپنے ساتھ وابستہ افراد کی دینی اور مذہبی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے، اس کا مختصر خلاصہ پانچ چیزوں میں ذکر کیا جاسکتا ہے۔

- (۱) عقائد
- (۲) عبادات
- (۳) معاملات
- (۴) معاشرت
- (۵) اخلاقیات

اسلام اپنے پیروکاروں کی رہنمائی کسی مخصوص اور محدود دائرے کے تحت نہیں کرتا بلکہ اس کی رہنمائی زندگی کے ہر شعبے و ہر دور میں حاصل رہی ہے چنانچہ اسلام صرف چند عقائد یا مخصوص عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ معاملات، معاشرت اور اخلاقیات تک بھی

اپنا دائرہ وسیع کرتا ہے۔

عقائد

اسلام میں ”عقائد“ کو اساسی اہمیت حاصل ہے جس میں حسب ذیل عقائد انتہائی ضروری ہیں۔

- (۱) عقیدہ توحید و رسالت
- (۲) عقیدہ آخرت
- (۳) عقیدہ حفاظت قرآن کریم
- (۴) عقیدہ عصمت انبیاء کرام علیہم السلام
- (۵) عقیدہ جنت و جہنم (جزا و سزا) وغیرہ

عبادات

اسلام نے اپنے پیروکاروں کا تعلق معبود حقیقی سے ہر موقع پر جوڑا ہے اور زندگی کے کسی لمحے کو بھی اس سے خالی نہیں رہنے دیا چنانچہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ اسلام کی نظر میں طلب کسب حلال سے لے کر ایک مسلمان کا کھانا پینا بلکہ اپنی طبعی ضروریات کو پورا کرنا بھی عبادت کے زمرے میں داخل ہو سکتا ہے۔

معاملات

بیع و شراء اور تجارت انسانی زندگی کا ایک فطری تقاضا اور ترقی کا ذریعہ ہے، اسلام نے اس میں اپنے پیروکاروں کی اتنی رہنمائی کی کہ دنیا کا کوئی مذہب بھی اپنے پیروکاروں کے لئے اسے مہیا نہ کر سکا اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی اسلام ”معاملات“ کے اعتبار سے ایک کامل اور مکمل دین ہے۔

معاشرت

معاشرتی زندگی سب سے بڑے بھی اسلامی تعلیمات کا قابل فراموش اور انتہائی باریک بینی پر مبنی ہیں، جنہیں کتابوں میں پڑھ کر ایک صالح معاشرہ کا تصور ابھرتا ہے اور

عینی زندگی میں جاری کرنے سے رعب ملائک معاشرے کی صورت سامنے آتی ہے۔

اخلاقیات

اسلام نے اخلاقیات پر بھی بہت زیادہ توجہ دی ہے اور اپنے پیروکاروں کو بتایا ہے کہ اخلاقیات صرف کسی سے مسترا کر لی جینے کا نام نہیں بلکہ صبر، شکر، توکل، قناعت، عفت و محنت، شجاعت و بسالت، سخاوت اور رضاء بقضاء جیسے اہم اوصاف اخلاقیات کا اہم ترین جزو ہیں، انہیں حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے ”مکریم و احترام انسانیت“ کا لازوال درس دیا، اخوت اور باہمی اتحاد و اتفاق کی ترغیب دی، ہر ایک کو اس کا جائز اور مناسب حق دیا، عورت جو قبل از اسلام پاؤں کی جوتی بھی جاتی تھی اسے سر کا تاج بنایا، اسے وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا، اسلام نے اسے وراثت میں حصہ دار قرار دیا، اسے بازاروں کی زینت اور لوگوں کی نقلی بھوکی نظروں کا نشانہ بنایا جاتا تھا، اسلام نے اسے گھر کی ملکہ بنا کر لوگوں کی گندی نظروں سے محفوظ کر دیا۔

اسلام اپنے پیروکاروں میں امیر اور غریب، شریف اور چھوٹ، کالے اور گورے کی تفریق بالکل پسند نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے پیروکاروں میں عزت و توقیر کا معیار ”خوف خدا“ کو بھرتا چاہتا ہے اور صحیح اسلامی معاشرہ اس کا بہترین نمونہ ہوتا ہے۔

اسلام قبول کرنے کا طریقہ

ادیان باطلہ میں داخل ہونے کے لئے مختلف قسم کے عجیب و غریب طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ اسلام نے ان تمام کے برعکس انتہائی مختصر اور آسان طریقہ بیان کیا ہے جس کے لئے کسی لمبے چوڑے مجاہدات یا عجیب و غریب امور کو اختیار کرنا کوئی ضروری نہیں بلکہ اسلام قبول کرنے کا خواہش مند غسل یا وضو کر کے کسی بھی مسلمان کے ہاتھ پر کلمہ پڑھ لے بلکہ اگر غسل اور وضو کرنے کا موقع نہ ملے اور خود ہی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے تب بھی اسے مسلمان شمار کیا جائے گا اور جب وہ لوگوں کے سامنے اپنے اسلام کو ظاہر کرے تو لوگ بھی اسے قبول کریں گے۔

کتب مقدسہ

دستور العمل اور ضابطہ حیات کے اعتبار سے اسلام جتنا ماحول اور امیر ہے اتنا دنیا کا کوئی اور دین یا مذہب نہیں کیونکہ اسلام کا دستور حیات ”حفاظت خداوندی“ کے تحت پھرے میں ہے جب کہ دیگر مذاہب کے دستور یا قانونی کتابیں زمانے کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہ سکیں اور یہ صرف ہمارا دعویٰ نہیں بلکہ دنیا کا ہر آدمی اس حقیقت سے واقف اور اس کا معترف ہے کہ ”قرآن کریم“ کی صورت میں مسلمانوں کا ”دستور زندگی“ انتہائی محفوظ دستور ہے۔

مسلمانوں کی یہ مقدس اور مذہبی کتاب جو نوزی کتاب ہی نہیں بلکہ ”کلام خداوندی“ ہونے کا شرف بھی اسے حاصل ہے، قرآن کریم ہے جو کہ پروردگار عالم کی طرف سے سرکارِ دو عالم ﷺ کے قلب اطہر پر یکبارگی نازل کرنے کی بجائے ۲۳ سال کے عرصے میں اتارا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ خدائے حق اور واقعات سے جتنی مناسبت ہمیں اس آسمانی کتاب میں دکھائی دیتی ہے کسی اور آسمانی صحیفے میں تلاشِ بے سر کے بعد بھی اس کی نظیر نہیں ملتی اور اس کے بیان کردہ حقائق کو دنیا کا کوئی فلسفی آج تک رد نہیں کر سکا اور نہ ہی تاقیامت رد کر سکے گا۔ (انشاء اللہ)

اسلامی اور دینی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کے حل کا سب سے بڑا ماخذ ”قرآن کریم“ ہی ہے اور مسلمان اپنی رہنمائی کے لئے ہر مسئلے میں سب سے پہلے اسی کی طرف رجوع کرنے میں قلبی راحت محسوس کرتے ہیں اور اس میں آنے والے ہر حکم کو سر آنکھوں پر لیتے ہیں، دل و جان سے قبول کر کے ان پر عمل کی شاہراہ استوار کرتے ہیں۔

قرآن کریم کے بعد احکام کا دوسرا بڑا ماخذ ”حدیث“ ہے جس کا آسان مفہوم ”پیغمبر اسلام ﷺ کے اقوال، افعال اور مشاہدات“ بیان کیا جاسکتا ہے یعنی آپ ﷺ کا فرمان بھی مسلمانوں کے لئے رہنما ہے، آپ ﷺ کا عمل بھی اور آپ ﷺ کا کسی موقع پر خاموش رہنا بھی ایک قانون ہے، بالفاظ دیگر یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں

کے پاس دینی و دنیوی رہنمائی کے لئے ایک ملی قرآن ہے اور دوسرا عملی قرآن (پیشہ پیم) آپ ﷺ کی تعلیمات جن کتابوں میں جمع کی گئی ہیں ان میں سب سے زیادہ مستند کتابیں چھ ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

- (۱) صحیح البخاری اس میں کل احادیث کی تعداد ۵۶۳۷ ہے۔
- (۲) صحیح مسلم اس میں کل احادیث کی تعداد ۵۶۳۷ ہے۔
- (۳) جامع ترمذی اس میں کل احادیث کی تعداد ۳۹۵۶ ہے۔
- (۴) سنن ابی داؤد اس میں کل احادیث کی تعداد ۵۲۷۳ ہے۔
- (۵) سنن نسائی اس میں کل احادیث کی تعداد ۵۷۶۱ ہے۔
- (۶) سنن ابن ماجہ اس میں کل احادیث کی تعداد ۴۳۴۱ ہے۔

یہی وہ چھ کتابیں ہیں جنہیں ”صحاح ستہ“ (چھ صحیح ترین کتابیں) کہا جاتا ہے اور اکثر اسلامی احکام ان میں مل جاتے ہیں اس لئے مسلمانوں کی مقدس کتابوں میں مذکورہ چھ کتابیں اور ان میں سے بھی خاص طور پر پہلی دو کتابیں زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔

اسلام ایک عالمگیر مذہب

تاریخ عالم سے واقفیت رکھنے والا ایک ادنیٰ طالب علم بھی اس بات سے واقف ہے اور مؤرخین نے بھی انتہائی حتمائی سے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اسلام نے جس مختصر سے زمانے میں پوری دنیا پر اپنی فتح کے جھنڈے گاڑے اس کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔

پھر اسلام نے غیر مسلموں پر اپنا جواثر ڈالا اسے وہ کبھی فراموش نہ کر سکے اور اسلام قبول کر سیا یا کم از کم دیگر ادیان و مذاہب کی نسبت اسلام کے لئے اپنے دل میں انتہائی نرم گوشہ رکھا جس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اسلام نہطرت انسانی کے انتہائی قریب جا کر اچل کرتا ہے اور یہ خصوصیت کسی قومی یا نسلی اور علاقائی دین میں نہیں ہو سکتی اس لئے ایک غیر جانبدار مصنف اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جسے بجا طور پر زندگی کے ہر شعبے میں منتشر اور اشاعت پذیر ہونا چاہئے۔

مَلِكُونَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَجْزِي الْعَمَلُ
يَكُنْ تَعَالَى اسْمُهُ اَوْفَى مِنْ سَائِرِ اسْمَائِهِ وَتَعَالَى جَلَالُهُ

اسلام میں امام مہدی رضی اللہ عنہ کا تصور

امام مہدی سے متعلق اہلسنت وجماعت کا عقیدہ، امام افسانہ سیرت اعلیٰ دعوات
فقہ مہدی، مہدیین، امام مہدی سے متعلق احادیث و تفسیر، تفسیر
مفسرین و علما، مسندت، اکابر علماء کی آثار و فتاویٰ

دانشگاہ
مفت مولانا محمد رفیع ٹیوشن خان پشاور
دستور احمدیہ پشاور

مترجم
مولانا محمد رفیع
فاضل تہذیب و تاریخ

بیش الغنوم

www.besturdubooks.wordpress.com